باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت وزارت اطلاعات و نشریات حکومت پاکستان ABC CERTIFIED

Daily AAINA Quetta

روزنامہ آئینہ کوئٹہ

قیمت 5 روپے

بانی: منصور الہدیٰ عباسی

ریذیڈنٹ ایڈیٹر: فہیم الزمان ملاخیل

چیف ایڈیٹر عامر امیر اعوان

ایڈیٹر فیصل کریم

03332831889 ✻ Daily.aaina94@gmail.com

جلد نمبر 30	بروز جمعرات 13 اگست 2026ء 1447 ہجری	قیمت 05 روپے	شمارہ نمبر 215

بلوچستان کی معیشت کو مستحکم بنانے کے لیے ہنگامی اقدامات کیے جا رہے ہیں، شعیب نوشیروانی

صوبائی حکومت بلوچستان کی معاشی ترقی، مالی نظم و ضبط اور عوامی فلاح و بہبود کے لیے بھرپور عزم کے ساتھ جامع اقدامات کر رہی ہے

بجٹ میں عوامی ریلیف، ترقیاتی منصوبوں، اور وسائل کی منصفانہ تقسیم کو اولین ترجیح دی گئی ہے تاکہ پسماندہ علاقوں کو بھی ترقی کی دوڑ میں شامل کیا جا سکے

کوئٹہ (اے این این) صوبائی وزیر خزانہ بلوچستان میر شعیب نوشیروانی نے کہا ہے کہ صوبائی حکومت بلوچستان کی معاشی ترقی، مالی نظم و ضبط اور عوامی فلاح و بہبود کے لیے بھرپور عزم کے ساتھ جامع اقدامات کر رہی ہے بجٹ میں عوامی ریلیف، ترقیاتی منصوبوں، اور وسائل کی منصفانہ تقسیم کو اولین ترجیح دی گئی ہے تاکہ پسماندہ علاقوں کو بھی ترقی کی دوڑ میں شامل کیا جا سکے۔ بات انہوں نے مختلف وفود سے بات چیت کرتے ہوئے کہی انہوں

بقیہ 1 صفحہ 3 پر

وزیراعلیٰ: دہشت گردی کے سامنے ریاست کبھی نہیں جھکے گی

بلوچستان کے عوام امن، ترقی اور خوشحالی چاہتے ہیں، جبکہ دہشت گرد عناصر صوبے کے عوام کو ترقی کے اس سفر سے محروم کرنا چاہتے ہیں

سیکیورٹی فورسز اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی قربانیاں پوری قوم کے لیے باعثِ فخر ہیں اور صوبے سے دہشت گردی کا مکمل خاتمہ ہمارا حتمی عزم ہے

کوئٹہ (خ ن) وزیراعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی نے ضلع سوراب میں سیکیورٹی فورسز اور بلوچستان پولیس کی دہشت گردوں کے خلاف کامیاب کارروائی کو سراہتے ہوئے کہا ہے کہ 18 دہشت گردوں کا خاتمہ قابلِ تحسین ہے اور یہ

بقیہ 3 صفحہ 3 پر

باب المندب: تجارتی جہاز پر حوثی حملہ، 2 پاکستانیوں سمیت 3 ملاح جاں بحق ہونے کی اطلاعات

فوری ردعمل نہیں دیا گیا اور نہ ہی گروپ نے اس حملے کی ذمہ داری یا اس میں ہونے والے جانی نقصان کے حوالے سے کوئی تفصیلات جاری کی ہیں

متعدد کمپنیوں نے خطرات کے پیش نظر اپنے بحری جہازوں کے راستے تبدیل کیے ہیں، جس سے سفر کا وقت اور اخراجات بھی بڑھ سکتے ہیں

صنعا (اے این این) یمن کے حوثی گروپ کی جانب سے باب المندب آبنائے میں ایک تجارتی جہاز پر حملے کے نتیجے میں عملے کے تین ارکان ہلاک ہو گئے ہیں جن میں دو پاکستانی شہری بھی شامل ہیں۔ ترکیہ کی خبر رساں ایجنسی انادولو نے یمن کے حکومت نواز نشریاتی ادارے المجمہوریہ ٹی وی کے حوالے سے بتایا ہے کہ حملے میں ابتدائی اطلاعات کے مطابق دو پاکستانی اور ایک انڈونیشی

بقیہ 2 صفحہ 3 پر

گوادر، وزیراعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی آل پارٹیز نمائندہ اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں

بحیرہ احمر میں حوثیوں کے حملے میں 3 پاکستانی جاں بحق اور ایک زخمی ہوا، اسحاق ڈار

ایسے حملے بے گناہ انسانی جانوں اور بحری سلامتی کے لیے سنگین خطرہ ہیں، نائب وزیراعظم

اسلام آباد (این این آئی) نائب وزیراعظم اور وزیر خارجہ اسحاق ڈار نے بحیرہ احمر میں تجارتی جہاز پر حوثیوں کے حملے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسے حملے بے گناہ انسانی جانوں اور بحری سلامتی کے لیے سنگین خطرہ ہیں۔ اپنے بیان میں انہوں نے کہا کہ تجارتی جہاز پر حوثیوں کے حملے میں 3 پاکستانی جاں بحق اور ایک زخمی ہوا ہے، ایسے

بقیہ 5 صفحہ 3 پر

امریکا ایران کشیدگی کے حل کے لیے دنیا کی نظریں پاکستان، قطر اور عمان پر مرکوز

پاکستان اور قطر نے امریکا ایران کو جنگ بندی اور مذاکرات کی طرف واپس لانے کے لئے مشترکہ تجویز پیش کی

پاکستان دونوں فریقوں کے لیے قابلِ اعتماد ثالث کی حیثیت سے امریکا ایران رابطے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے

اسلام آباد) جی این ایم (امریکی تھنک ٹینک سٹمسن سنٹر کا کہنا ہے کہ امریکا ایران کشیدگی کے حل کیلئے دنیا کی نظریں پاکستان، قطر اور عمان پر مرکوز ہیں۔ تھنک ٹینک کی رپورٹ کے مطابق اسلام آباد معسورطرم پر دباؤ کے باوجود پاکستان امریکا ایران کو دوبارہ مذاکرات کی میز پر لانے کی کوشش جاری رکھے ہوئے ہے۔ پاکستان اور قطر نے امریکا ایران کو جنگ بندی اور مذاکرات کی طرف

بقیہ 6 صفحہ 3 پر

پاکستان کا یوکرین تنازع کے سفارتی حل، زیرحراست افراد کے تحفظ پر زور

روس، یوکرین تنازع کو سفارتی ذرائع سے حل کرنے کے لیے اقدامات کریں، پاکستانی مندوب کا سلامتی کونسل کے اجلاس سے خطاب

نیویارک (این این آئی) پاکستان نے یوکرین تنازع کو سفارتی ذرائع سے حل کرنے اور زیرحراست افراد کے تحفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ روس، یوکرین تنازع کو سفارتی ذرائع سے حل کرنے کے لیے اقدامات کریں۔ پاکستان نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے یوکرین سے متعلق آریا فارمولا اجلاس میں تمام فریقین پر زور دیا ہے کہ وہ بین الاقوامی انسانی قانون کے تحت اپنی ذمہ داریوں کی مکمل پاسداری کریں اور روس،

بقیہ 6 صفحہ 3 پر

محسن نقوی اور ایرانی صدر کی ملاقات، بات چیت کی تفصیلات سامنے آ گئیں

محسن نقوی نے ایرانی صدر کو وزیراعظم شہباز شریف اور فیلڈ مارشل سید عاصم منیر کا خصوصی پیغام پہنچایا

اسلام آباد (این این آئی) وفاقی وزیر داخلہ محسن نقوی کی تہران میں ایرانی صدر مسعود پزشکیان سے ملاقات کی اندرونی کہانی سامنے آ گئی۔ ذرائع کے مطابق محسن نقوی نے ایرانی صدر کو وزیراعظم شہباز شریف اور فیلڈ مارشل سید عاصم منیر کا خصوصی پیغام پہنچایا۔ وزیر داخلہ محسن نقوی نے ایرانی صدر کو پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ

بقیہ 7 صفحہ 3 پر

کوئٹہ مہنگائی بے قابو، گرانفروشوں کو کھلی چھوٹ، شہریوں کی زندگی اجیرن

کوئٹہ (اے این این) بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں مہنگائی میں روز بروز اضافے نے شہریوں کی مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا ہے، جبکہ گرانفروشوں کے خلاف مؤثر کارروائی نہ ہونے

بقیہ 8 صفحہ 3 پر

مکہ معاہدہ بڑا واضح ہے، ایک ملک پر حملہ سب پر حملہ تصور ہوگا: ترجمان دفتر خارجہ

مکہ معاہدہ امن و سلامتی کے حوالے سے محض 3 ممالک تک محدود نہیں ہے، طاہر حسن اندرابی

اسلام آباد (این این آئی) ترجمان دفتر خارجہ طاہر حسن اندرابی نے کہا ہے کہ مکہ معاہدہ بڑا واضح ہے کہ ایک ملک پر حملہ سب پر حملہ تصور ہوگا، مکہ معاہدے پر خطے اور اس سے باہر اجتماعی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے کوششیں جاری رکھی جائیں گی، معاہدہ امن و سلامتی کے حوالے سے محض 3 ممالک تک محدود نہیں ہے۔ صحافیوں کو ہفتہ وار پریس بریفنگ دیتے ہوئے ترجمان دفتر خارجہ نے کہا کہ 7 اگست کو ہونے والا مکہ سمٹ اہمیت کا

بقیہ 9 صفحہ 3 پر

گڈز ٹرانسپورٹ کی ہڑتال پانچویں روز بھی جاری، حکومت کے ساتھ مذاکرات تاحال ناکام

کراچی (اے این این) وفاقی حکومت اور گڈز ٹرانسپورٹرز کے درمیان مذاکرات کا دوسرا دور بھی ناکام ہو گیا جس کے باعث گڈز ٹرانسپورٹرز کی ہڑتال پانچویں روز بھی جاری ہے۔ صدر آل

بقیہ 10 صفحہ 3 پر

امریکا ایران جنگ بندی میں اہم کردار، پاکستان بطور عالمی قوت دنیا کی توجہ کا مرکز

پاکستان ہی اپنی سفارتی صلاحیت کی بدولت ایران اور امریکا کو دوبارہ قریب لانے میں مدد کر سکتا ہے، ساؤتھ ایشین وائسز

اسلام آباد (این این آئی) امریکا ایران جنگ بندی میں پاکستان کے بطور ثالث اہم کردار کے باعث عالمی سطح پر پاکستان کی امن کاوشوں کا برملا اعتراف کیا جا رہا ہے۔ امریکا ایران جنگ بندی میں اہم ترین کردار کی بدولت پاکستان بطور عالمی قوت دنیا کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ عالمی جریدہ ساؤتھ ایشین وائسز کے مطابق امریکا ایران جنگ بندی کیلئے اسلام آباد معاہدہ کرانے والے پاکستان اور قطر کشیدگی کو روکنے کیلئے بھرپور کوشش کر رہے

بقیہ 11 صفحہ 3 پر

اسلام آباد، صدر مملکت آصف علی زرداری سے پاکستان میں اقوام متحدہ کے ریذیڈنٹ کوآرڈینیٹر محمد یحییٰ کی الوداعی ملاقات کر رہے ہیں

وزیر اطلاعات پنجاب عظمیٰ بخاری نے الحمراء میں سمر کیمپ کی نمائش کا افتتاح کر دیا

نمائش میں 40 نوجوان آرٹسٹوں کے 85 فن پارے پیش، ڈرائنگ، پینٹنگ، خطاطی اور دیگر تخلیق کیے گئے فن پارے شامل

لاہور (این این آئی) وزیر اطلاعات و ثقافت پنجاب عظمیٰ بخاری نے الحمراء میں سمر کیمپ کے تحت نوجوان فنکاروں کے فن پاروں کی نمائش کا افتتاح کر دیا۔ نمائش میں 40 نوجوان آرٹسٹوں کے 85 فن پارے پیش کیے گئے، جن میں ڈرائنگ، پینٹنگ، خطاطی اور دیگر مختلف میڈیمز میں تخلیق کیے گئے فن پارے شامل ہیں، نوجوان فنکاروں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور فنکارانہ وژن کے ذریعے مختلف موضوعات کو خوبصورتی سے اجاگر

بقیہ 12 صفحہ 3 پر

پاکستان بیلاروس مشترکہ وزارتی کمیشن دوطرفہ تعلقات کا اہم ستون ہے، جام کمال

اسلام آباد (این این آئی) وفاقی وزیر تجارت جام کمال خان نے کہا ہے کہ پاکستان بیلاروس مشترکہ وزارتی کمیشن دوطرفہ تعلقات کا اہم ستون ہے، مشترکہ وزارتی کمیشن دونوں ممالک

بقیہ 13 صفحہ 3 پر

کور کمانڈر بلوچستان کا پنجگور کا دورہ، جناح آئی ٹی ہب، سرسید احمد خان لانج اور علامہ اقبال آڈیٹوریم کا افتتاح

نوجوان جدید ٹیکنالوجی اور ڈیجیٹل مہارتوں سے ہم آہنگ ہوں، کور کمانڈر بلوچستان

پنجگور (یو این اے) کور کمانڈر بلوچستان لیفٹیننٹ جنرل راحت نسیم احمد خان نے پنجگور کا خصوصی دورہ کیا، جہاں انہوں نے بلوچستان اسپیشل ڈویلپمنٹ انیشیٹو کے تحت قائم جناح آئی ٹی ہب، یونیورسٹی آف مکران میں ایف سی بلوچستان ساتھ پرواز فاؤنڈیشن کے زیر انتظام تعمیر کیے گئے سرسید احمد خان لانج اور تزئین و آرائش کے بعد فعال کیے گئے

بقیہ 14 صفحہ 3 پر

سٹیزن فیسلیٹیشن سینٹر ترلائی پائلٹ مرحلے کی کامیاب تکمیل کے بعد مکمل فعال

اسلام آباد (این این آئی) سٹیزن فیسلیٹیشن سینٹر ترلائی پائلٹ مرحلے کی کامیاب تکمیل کے بعد مکمل فعال ہو گیا، سی ایف سی ترلائی میں شہریوں کو 8 مختلف سرکاری خدمات کی فراہمی

بقیہ 15 صفحہ 3 پر

نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری تشویشناک سطح پر، بلوچستان کے مستقبل پر سوالیہ نشان

حکومت سے روزگار پالیسی، انڈسٹریز، اور ہنرمند پروگرامز شروع کرنے کا مطالبہ زور پکڑ گیا

کوئٹہ (اے این این) بلوچستان بھر میں نوجوانوں کی بے روزگاری دن بدن شدت اختیار کر رہی ہے' اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بڑی تعداد ہاتھوں میں ڈگریاں لئے کر روزگار کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہے' سرکاری ملازمتوں کی محدود تعداد، نجی شعبے کی کمزوری اور صنعتوں کی عدم موجودگی نے اس بحران کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے ماہرین معیشت اور سماجی تجزیہ کاروں کے مطابق بلوچستان میں بے روزگاری کی شرح ملک کے دیگر صوبوں کے مقابلے میں زیادہ ہے' خاص طور پر گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ نوجوانوں میں

بقیہ 16 صفحہ 3 پر

رانا تنویر حسین کی بیلا روس کے نائب وزیر زراعت کی ملاقات

پاکستان، بیلاروس کے درمیان زرعی تجارت، سرمایہ کاری اور ٹیکنالوجی کے تعاون کے نئے امکانات روشن

اسلام آباد (این این آئی) وفاقی وزیر برائے قومی غذائی تحفظ و تحقیق رانا تنویر حسین نے اسلام آباد میں بیلاروس کے نائب وزیر زراعت و خوراک یاکووچس الیگزینڈر سے ملاقات کی جس میں زراعت، غذائی تحفظ، تجارت، سرمایہ کاری اور زرعی ٹیکنالوجی کے شعبوں میں دوطرفہ تعاون کو مزید مضبوط بنانے کے نئے امکانات پر تبادلہ خیال کیا

بقیہ 17 صفحہ 3 پر

ایس ایس پی حب مرزا اقبال مینیجنگ ڈائریکٹر LIEDA کی جانب سے فراہم کی گئی موٹر سائیکلوں کا معائنہ کر رہے ہیں

سینیٹر شیری رحمان کا ایل اے 15 میں زوننگ ایڈجسٹمنٹ پر ری پولنگ کا فیصلہ واپس لینے کا مطالبہ

اسلام آباد (این این آئی) نائب صدر پیپلز پارٹی سینیٹر شیری رحمان نے ایل اے 15 میں زوننگ ایڈجسٹمنٹ پر ری پولنگ کا فیصلہ واپس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔ اپنے بیان میں شیری رحمن نے

بقیہ 18 صفحہ 3 پر

نوجوان ہمارا قیمتی سرمایہ اور روشن مستقبل ہیں، وفاقی وزیر

پاکستان کی ترقی، خوشحالی اور استحکام نوجوانوں کی صلاحیتوں کو درست انداز میں بروئے کار لانے سے وابستہ ہے، بیان

اسلام آباد (این این آئی) وفاقی وزیر ریلوے محمد حنیف عباسی نے نوجوانوں کے عالمی دن کے موقع پر پاکستانی نوجوانوں کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ نوجوان ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ اور ملک کا روشن مستقبل ہیں۔ اپنے ایک خصوصی پیغام میں وفاقی وزیر نے کہا کہ پاکستان کی ترقی، خوشحالی اور استحکام

بقیہ 19 صفحہ 3 پر

بلوچستان کے مسائل کا حل علیحدگی پسندی یا تشدد نہیں، انوار الحق کاکڑ

جعفر ایکسپریس کے مسافروں، موسیٰ خیل میں شہریوں اور تربت میں مزدوروں کو نشانہ بنانا انسانی حقوق اور حقِ زندگی کی سنگین خلاف ورزی ہے

دہشت گردی کے خلاف اس جدوجہد میں ہمیں زبان کی طاقت، دلیل، علم، ابلاغ اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بھی بروئے کار لانا ہوگا۔

کوئٹہ) اے این این (سینیٹر انوار الحق کاکڑ نے کہا ہے کہ بلوچستان کے مسائل کا حل علیحدگی پسندی یا تشدد نہیں، بلکہ آئینی، سیاسی، انتظامی اور ترقیاتی ذرائع کے مؤثر استعمال میں ہے۔ آئی ایس پی آر سمر انٹرن شپ پروگرام کے تحت سینیٹر انوار الحق کاکڑ کی 6 ہزار سے زائد طلبہ و طالبات کے ساتھ خصوصی نشست ہوئی۔ سینیٹر انوار الحق کاکڑ نے آئی ایس پی آر سمر انٹرن شپ پروگرام 2026 کے

بقیہ 21 صفحہ 3 پر

مکہ معاہدہ صرف دفاع پر نہیں، معیشت پر بھی ہونا چاہیے، حافظ نعیم الرحمن

آئین کے مطابق اور عوامی رائے سے جو نئے یونٹس بن سکتے ہیں تو بننے چاہئیں، موجودہ الیکشن میں لوگوں کی رائے پر حکومتیں نہیں بنیں

جب آپ لوگوں کی مرضی پر حکومتیں نہیں بناتے تو اعتماد کا بحران ہوتا ہے، پورے فرسودہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنا ہوگا، امیر جماعت اسلامی

کراچی) اے این این (امیر جماعت اسلامی پاکستان حافظ نعیم الرحمان نے کہا ہے کہ آئین کے مطابق اور عوامی رائے سے جو نئے یونٹس بن سکتے ہیں تو بننے چاہئیں، موجودہ الیکشن میں لوگوں کی رائے پر حکومتیں نہیں بنیں، جب آپ لوگوں کی مرضی پر حکومتیں نہیں بناتے تو اعتماد کا بحران ہوتا ہے، پورے فرسودہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنا ہوگا، پیٹرولیم لیوی کیخلاف 16 اگست کو چاروں

بقیہ 20 صفحہ 3 پر

کوئٹہ، 79ویں یوم آزادی کی تقریب کے سلسلے میں رنگ برنگی روشنیوں سے سجائی گئی میٹروپولیٹن کارپوریشن کی عمارت کا روشن منظر

امریکی آزادی کی سالگرہ اور پاکستان کے یوم آزادی کی تقریب میں سفیر کی خصوصی شرکت

دونوں ممالک اور ان کے عوام کے درمیان فاصلے کم کرنے میں پاکستانی امریکی میڈیا نمائندگان کی کوششیں قابل تعریف ہیں، رضوان سعید شیخ

واشنگٹن (این این آئی) امریکا کی آزادی کی 250 ویں سالگرہ اور پاکستان کے 79 ویں یوم آزادی کے موقع پر پاکستانی امریکن پریس ایسوسی ایشن کی جانب سے خصوصی تقریب منعقد کی گئی، جس میں پاکستانی سفیر رضوان سعید شیخ نے خصوصی شرکت کی۔ تقریب میں کمیونٹی کی نمایاں شخصیات، میڈیا سے وابستہ افراد، سرکاری عہدیداران اور دیگر معزز مہمانوں نے بھرپور شرکت کی۔ اس موقع پر تقریب کے شرکا نے ان پائیدار اقدار کا جشن منایا جو پاکستان اور امریکا کو دوستی کے دیرینہ رشتے میں جوڑتی ہیں۔ سفیر رضوان سعید شیخ نے اپنے خطاب میں تجارت، سرمایہ کاری اور اقتصادی تعاون کو مزید مستحکم بنا کر پاک امریکا

بقیہ 26 صفحہ 3 پر

آبنائے ہرمز سے تیل کی ترسیل 90 لاکھ بیرل یومیہ ہو گئی، امریکی وزیر توانائی کا دعویٰ

مزید 70 لاکھ بیرل یومیہ تیل جدید پائپ لائنز اور برآمدی سہولیات کے ذریعے خطے سے باہر بھیجا جا رہا ہے، بیان

واشنگٹن (این این آئی) امریکی وزیر توانائی نے دعویٰ کیا ہے کہ آبنائے ہرمز سے تیل کی ترسیل 90 لاکھ بیرل یومیہ کے قریب پہنچ گئی۔ غیرملکی خبر رساں ادارے کے مطابق امریکی وزیر توانائی کرس رائٹ نے دعویٰ کیا کہ آبنائے ہرمز کے ذریعے تیل کی ترسیل اوسطاً تقریباً 90 لاکھ بیرل یومیہ تک پہنچ گئی ہے۔ یہ پیش رفت امریکی فوج اور خلیجی اتحادیوں کی مربوط کوششوں کے باعث ممکن ہوئی۔ کرس رائٹ نے سماجی رابطے کی ویب سائٹ ایکس پر بیان میں کہا کہ مزید 50 سے 70 لاکھ بیرل یومیہ تیل جدید پائپ لائنز اور برآمدی سہولیات کے ذریعے خطے سے باہر بھیجا جا رہا ہے، جس کے بعد خطے سے تیل کی مجموعی ترسیل تقریباً

بقیہ 22 صفحہ 3 پر

پاکستان کے ساتھ مضبوط تعلقات علاقائی سیکیورٹی میں اضافے کا سبب بن سکتے ہیں، صدر ایران

تہران (این این آئی) ایران کے صدر مسعود پزشکیان نے کہا ہے کہ پاکستان کے ساتھ مضبوط تعلقات علاقائی سیکیورٹی میں اضافے کا سبب بن سکتے ہیں۔ ایران کے صدر نے گزشتہ روز وفاقی

بقیہ 23 صفحہ 3 پر

جڑواں شہروں میں شدید بارش، نالہ لئی میں پانی کی سطح بلند، شہریوں کا انخلاء شروع

کٹاریاں مقام پر پانی کی سطح 22 فٹ، گوالمنڈی کے مقام پر پانی 19 فٹ کی سطح تک بلند، ہنگامی صورتحال کیلئے فوج سے مدد طلب

اسلام آباد/ راولپنڈی (این این آئی) راولپنڈی اسلام آباد سمیت مختلف شہروں میں موسلادھار بارش کے باعث نشیبی علاقے زیرآب آ گئے، نالہ لئی میں پانی کی سطح خطرناک حد تک بلند ہونے کے بعد گوالمنڈی اور کٹاریاں کے علاقوں سے شہریوں کا انخلا شروع کر دیا گیا، ضلعی انتظامیہ نے ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کیلئے پاک فوج سے مدد طلب کر لی۔ تفصیلات کے مطابق گزشتہ رات سے شروع ہونے والا بارش کا سلسلہ صبح تک جاری رہا جس کے باعث نالہ لئی میں پانی کی سطح مسلسل بڑھتی رہی، صورتحال کے پیش نظر راولپنڈی اور

بقیہ 28 صفحہ 3 پر

مال روڈ واقعہ اس بات کا اشارہ ہے کہ 27 ستمبر کو بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے، طلال چوہدری

اسلام آباد (این این آئی) وزیر مملکت برائے داخلہ طلال چوہدری نے کہا ہے کہ مال روڈ پر پیش آنے والا واقعہ اس بات کا اشارہ ہے کہ 27 ستمبر کو بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ میڈیا سے گفتگو انہوں

بقیہ 27 صفحہ 3 پر

اتنے بڑے ہاتھ نہیں بانی کے اکاؤنٹ سے اپنے لئے ٹویٹس کروں، مشعال یوسفزئی

اسلام آباد (این این آئی) پی ٹی آئی کی سینیٹر مشعال یوسفزئی نے کہا ہے کہ میرے اتنے بڑے ہاتھ نہیں کہ بانی پی ٹی آئی کے اکاؤنٹ سے اپنے لیے ٹویٹس کروں۔ پی ٹی آئی کی سینیٹر مشعال یوسفزئی نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کیا میرے سینیٹر بننے کے بعد سلمان اکرم نے اڈیالہ جیل میں بانی پی ٹی آئی کے سامنے مجھ سے معافی نہیں مانگی؟ انہوں نے کہا کہ سلمان اکرم کا کہنا تھا کہ

بقیہ 25 صفحہ 3 پر

ایئر انڈیا کے پائلٹ کا چرس پی کر جہاز اڑانے کا انکشاف، ڈوپ ٹیسٹ نے بھانڈا پھوڑ دیا

ایئر کرافٹ ایکسیڈنٹ انویسٹی گیشن بیورو نے مزید تحقیقات شروع کر دی ہیں، وزارت سول ایوی ایشن

نئی دہلی (این این آئی) ایئر انڈیا کی فوکٹ سے دہلی جانے والی پرواز کے کپتان کے ڈوپ ٹیسٹ میں چرس کے استعمال کی موجودگی سامنے آ گئی۔ بھارتی میڈیا کے مطابق تھائی لینڈ کے سیاحتی جزیرے فوکٹ سے دہلی آنے والی ایئر انڈیا کی پرواز کے کپتان کا دوسرا ڈوپ ٹیسٹ بھی مثبت آ گیا ہے۔ بھارتی میڈیا کی رپورٹ کے مطابق 4 اگست کو ایئر انڈیا کی پرواز AI-2379، جس میں 137 مسافر اور عملے کے 8 ارکان سوار تھے، فوکٹ سے دہلی آ رہی تھی کہ دوران پرواز اس کی اونچائی میں اچانک 300 فٹ کی کمی واقع ہو گئی۔ اس واقعے میں کم از کم 20 مسافر اور عملے کے 4 ارکان زخمی ہوئے۔ ذرائع نے بھارتی میڈیا کو

بقیہ 24 صفحہ 3 پر

روزانہ 1300 بچے غذائی کمی سے فوت ہو رہے ہیں، وفاقی وزیر صحت

نئے صوبے بنانا وقت کی اہم ضرورت، اس سے ملک مزید مضبوط ہوتا ہے، مصطفیٰ کمال

اسلام آباد (این این آئی) وفاقی وزیر صحت سید مصطفیٰ کمال نے انکشاف کیا ہے کہ روزانہ 1300 بچے غذائی کمی سے فوت ہو رہے ہیں۔ پاک فارما ہیلتھ کیئر ایکسپو کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے سید مصطفیٰ کمال نے کہا کہ پاکستان میں ہیلتھ کیئر سسٹم کی کمپنیاں ترقی کر رہی ہیں، پچھلے سال فارما انڈسٹری کی ایکسپورٹ 38 فیصد ہوئی ہے، سرکار جب تک ساتھ نہ دے تو ترقی نہیں ہوتی، وزیراعظم اور حکومت فارما انڈسٹری کے ساتھ کھڑی ہے اور کمپنیوں کو ریلیف دیا جا رہا ہے۔ وفاقی وزیر صحت نے کہا کہ ڈریپ اب تک 85 فیصد ڈیجیٹل ہو چکا ہے، ڈریپ سمیت دوسرے اداروں میں اب کرپشن ختم ہو گی، 9

بقیہ 31 صفحہ 3 پر

بچے گٹر میں گریں تو کسی کی غیرت کیوں نہیں جاگتی؟ مصطفیٰ کمال

اسلام آباد (این این آئی) وفاقی وزیر برائے صحت مصطفیٰ کمال نے کہا ہے کہ صوبوں کی بات ہو تو عزت غیرت آ جاتی ہے، بچے گٹر میں گریں تو کسی کی غیرت کیوں نہیں جاگتی؟ پاکستان فارما ہیلتھ کیئر ایکسپو سے خطاب کرتے ہوئے مصطفیٰ کمال نے کہا کہ پاک بھارت جنگ ہوئی

بقیہ 30 صفحہ 3 پر

اب ایک بھی امریکی بحری جہاز خلیج فارس میں موجود نہیں، ترجمان پاسداران انقلاب

ایران کو بحری خطرات کا سامنا ہوا تو خطے میں تمام امریکی اور غیر امریکی توانائی سسٹم اور انفراسٹرکچر سے جڑا عالمی انفراسٹرکچر چوکنا جائے گا، بیان

تہران (این این آئی) پاسداران انقلاب ایران کے ترجمان بریگیڈیئر جنرل حسین محبی نے دعویٰ کیا ہے کہ رمضان میں ایران پر مسلط کردہ جنگ کے بعد اب ایک بھی امریکی بحری جہاز خلیج فارس میں موجود نہیں۔ تاہم پاسداران انقلاب نے ایران کی ناکہ بندی کرنے والے امریکی بحری جہازوں کے بارے میں تفصیلات نہیں دیں۔ غیرملکی خبر رساں ادارے کے مطابق اپنے بیان میں بریگیڈیئر جنرل حسین محبی نے کہا کہ ایران پر مسلط

بقیہ 29 صفحہ 3 پر

پیپلز پارٹی اور ن لیگ چور ہیں، پی ٹی آئی کی پی پی پی سے مذاکرات کی مخالفت

پی ڈی ایم مل کر بھی بانی کی پارٹی کو ختم نہیں کر سکی، قوم بانی کے ساتھ کھڑی ہے، شیخ وقاص اکرم

پشاور (این این آئی) تحریک انصاف کے مرکزی ترجمان شیخ وقاص اکرم نے پی پی پی سے مذاکرات کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ پیپلز پارٹی اور ن لیگ دونوں چور ہیں اور پی پی پی سے کسی قسم کے مذاکرات نہیں ہو رہے۔ تحریک انصاف کے مرکزی ترجمان شیخ وقاص اکرم، پی ٹی آئی ایم پی ایز اور ممبران قومی اسمبلی نے میڈیا سے گفتگو کی۔ شیخ وقاص اکرم نے کہا کہ بانی پی ٹی آئی کی صحت پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا، بانی پی ٹی آئی کی صحت ریڈ لائن ہے اور صحت کے حوالے سے ہتھکنڈے استعمال نہیں ہونے دیں گے۔ پی ڈی ایم مل کر بھی بانی کی پارٹی کو ختم نہیں کر سکی، قوم بانی کے ساتھ کھڑی ہے۔ مہینے گزر گئے بانی پی ٹی آئی

بقیہ 32 صفحہ 3 پر

اسلام آباد: وفاقی وزیر خزانہ سینیٹر محمد اورنگزیب سے بیلاروس کے وزیر توانائی کی قیادت میں وفد ملاقات کر رہا ہے

کوئٹہ: ٹریفک حکام عدالت روڈ پر نو پارکنگ زون میں کھڑی گاڑی کو لفٹر کے ذریعے ہٹا رہے ہیں

کوئٹہ محکمہ ثقافت کے زیر اہتمام جشن آزادی کے سلسلے میں وزیر اعلیٰ بلوچستان میر سرفراز بگٹی، صوبائی وزراء ... نمائش کا افتتاح کر رہے ہیں

گنداخہ، 14 اگست حب الوطنی سے منایا جائے، میر مرتضیٰ خان جمالی

پاکستان بڑی قربانیوں سے حاصل ہوا، نوجوان بانیانِ پاکستان کے افکار پر عمل کریں، چیئرمین مارکیٹ کمیٹی اوستہ محمد

گنداخہ (یو این اے) چیئرمین مارکیٹ کمیٹی اوستہ محمد میر مرتضیٰ خان جمالی نے کہا ہے کہ 14 اگست یوم آزادی قومی جوش و جذبے، ملی یکجہتی اور حب الوطنی کے ساتھ منایا جائے۔ یوم آزادی ہمارے لیے ایک تاریخی اور باعث فخر دن ہے، جس روز برصغیر کے مسلمانوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں ایک آزاد وطن حاصل کیا۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے تحصیل پریس کلب گنداخہ کے چیئرمین و صحافی فرید احمد قمرانی سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ میر مرتضیٰ خان جمالی نے کہا کہ پاکستان بڑی قربانیوں اور جدوجہد کے نتیجے میں وجود میں آیا، اس لیے ہمیں آزادی کی قدر کرتے ہوئے ملک کی ترقی، استحکام، سلامتی اور خوشحالی کے لیے متحد ہو کر اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان ہماری پہچان، ہماری امید اور ہماری آنے والی نسلوں کا مستقبل ہے۔ ملک کی ترقی کے لیے ہمیں سیاسی و ذاتی اختلافات سے بالاتر ہو کر قومی مفاد کو ترجیح دینا ہوگی۔ نوجوان نسل کو چاہیے کہ وہ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ محمد اقبال کے افکار و تعلیمات سے

نصیرآباد ڈویژن جشن آزادی کی تیاریاں عروج پر پہنچ گئیں

ڈیرہ مراد جمالی (این این آئی) نصیرآباد ڈویژن جشن آزادی کی تیاریاں عروج پر پہنچ گئیں، شہری علاقوں میں گلی محلے بازاریں مارکیٹ اور سرکاری دفاتر کو قومی پرچم سبز ہلالی رنگ برنگی جھنڈیوں سے سجا دیا گیا سیکورٹی کے فول پروف انتظامات چیکنگ سخت شہر کے داخلی و خارجی راستوں پر کڑی نگرانی تفصیلات کے مطابق جشن آزادی کی آمد قریب تر ہونے کی وجہ سے عوام میں جشن آزادی منانے کیلئے تیاریاں بھی عروج پر پہنچ گئی ہیں نصیرآباد جعفرآباد اوستہ محمد صحبت پور ڈیرہ بگٹی سوئی جھل مگسی و دیگر شہروں میں جشن آزادی کے پیش نظر سرکاری دفاتر سرکاری عمارتوں چیکس

کوئٹہ، پاکستان مسلم لیگ (ن) اقلیتی ونگ کے رہنما کلیم سکندر کھوکھر و دیگر پریس کلب کے سامنے جشن آزادی کا کیک کاٹ رہے ہیں

کوئٹہ میں چوری و ڈکیتی کی بڑھتی وارداتوں پر جے یو آئی کی شدید تشویش، امن وامان کی ابتر صورتحال پر برہمی

کوئٹہ (یو این اے) جمعیت علماء اسلام ضلع کوئٹہ کے امیر شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن رفیق، جنرل سیکرٹری حاجی عین اللہ شمس، سینئر نائب امیر مولانا خورشید احمد، ڈپٹی سیکرٹری جنرل حاجی بشیر احمد کاکڑ، حافظ شبیر احمد مدنی، حاجی رحمت اللہ کاکڑ، سید حاجی عبدالواحد آغا، حافظ مسعود احمد، حاجی محمد قاسم خلجی، حاجی ولی محمد بڑیچ، صفی اللہ مینگل اور شاہ زاہد مشوانی نے کوئٹہ شہر میں بڑھتے ہوئے چوری، ڈکیتی اور رہزنی کے واقعات پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ شہر بھر میں امن وامان کی صورتحال دن بدن ابتر ہوتی جارہی ہے۔

گنداخہ، آبادگار رہنماؤں پر مبینہ جھوٹی ایف آئی آر کے خلاف احتجاجی جلسہ

نہروں میں فوری پانی فراہم کیا جائے اور ہاری اتحاد کے رہنماؤں پر درج مقدمات واپس لیے جائیں، میر خان صوبدرانی

گنداخہ (یو این اے) کھیرتھر کینال سے نکلنے والی نہروں اور شاخوں میں پانی کی شدید قلت اور سندھ کے محکمہ آبپاشی کے عملے کی جانب سے سندھ بلوچستان ہاری آبادگار اتحاد کے مرکزی رہنماؤں محسن قاضی، حبیب اللہ جروار اور دیگر کے خلاف مبینہ طور پر جھوٹی ایف آئی آر درج کیے جانے کے خلاف بلوچستان کے آبادگاروں نے میر خان صوبدرانی اور بالٹیل بزگر کمیٹی میر دیدار خان پلال کی قیادت میں بالٹیل میں احتجاجی جلسہ منعقد کیا گیا اس موقع پر انہوں نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کھیرتھر کینال سے نکلنے والی نہروں اور شاخوں میں پانی کی شدید کمی کے باعث کاشتکاروں کو بھاری نقصان کا سامنا ہے، جبکہ دھان کی فصل کی کاشت کا وقت بھی گزر چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت ہمیں فصلوں کے بجائے پینے اور زندگی گزارنے کے لیے پانی کی ضرورت ہے، مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں پینے کے لیے سیم نالے کا زہریلا پانی دیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا کہ کھیرتھر کینال سے نکلنے والی تمام نہروں اور شاخوں میں فوری طور پر پانی فراہم کیا جائے تاکہ کاشتکاروں اور عام شہریوں کو درپیش مشکلات کا خاتمہ ہو سکے۔ احتجاجی رہنماؤں نے مزید مطالبہ کیا کہ سندھ کے محکمہ آبپاشی کے عملے کی جانب سے ہاری آبادگار اتحاد کے مرکزی رہنماؤں محسن قاضی، حبیب اللہ جروار اور دیگر

بولان، نصیرآباد ڈویژن میں عطائیت اور غیر معیاری ادویات کی فروخت عروج پر

بولان (یو این اے) بلوچستان کے اضلاع ڈیرہ مراد جمالی جعفرآباد صحبت پور اوستہ محمد و دیگر ملحقہ علاقوں میں محکمہ صحت کی مکمل غفلت کے باعث انسانی زندگیوں سے کھیلنے کا مکروہ دھندہ عروج پر چلایا جا رہا ہے عطائی ڈاکٹروں نے مختلف علاقوں میں پنجے گاڑ دیے ہیں جبکہ میڈیکل اسٹورز غیر معیاری اور غیر ملکی ادویات کی فروخت کے مراکز بن چکے ہیں سیاسی سماجی اور عوامی حلقوں کا کہنا ہے کہ ڈرگ انسپکٹر اپنی ذمہ داریوں سے مکمل غفلت برقرار رکھتے ہوئے دوسرے شہر میں سیر و تفریح کر

کوئٹہ، پاکستان سنی تحریک کا استقبالِ جشنِ میلاد کے حوالے سے اجلاس

میلاد النبی پر فول پروف سیکیورٹی، صفائی اور بلاتعطل بجلی کی فراہمی یقینی بنائی جائے، خان محمد جنگ

کوئٹہ (یو این اے) پاکستان سنی تحریک کے مرکزی جوائنٹ سیکرٹری خان محمد جنگ نے استقبال جشن میلاد ریلیوں اور محافل کے انعقاد بارے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حضور نبی کریم کا جشن ولادت بڑی مذہبی عقیدت و احترام اور جوش و جذبے سے منایا جائے گا صوبے بھر میں نکلنے والے جلوس، ریلیوں اور محافل میلاد کو پولیس اور پاک رینجرز کی جانب سے فول پروف سیکیورٹی فراہم کی جائے کو دسمیت دیگر اضلاع میں صفائی کے بہتر سے بہتر انتظامات کو یقینی بنایا جائے ملک میں اربوں روپوں فنڈز مختص ہونے کے باوجود سرکاری عمارتوں پر چراغاں کے نام پر خانہ پوری دیکھی جاتی ہے جبکہ بعض اضلاع میں سرے سے چراغاں کا اہتمام ہی نہیں کیا جاتا بلکہ چراغاں کے ملنے والے فنڈز کو ملی بھگت سے کرپشن کی نظر کر دیا جاتا ہے کرپشن کرنے والے ایسے عناصر کے خلاف متعلقہ ادارے سخت سے سخت کارروائی عمل میں لا کر سرکاری فنڈز کو کرپشن سے بچائیں انہوں نے کہا کہ ماہ ربیع الاول کی مدسے قبل تمام متعلقہ سرکاری ادارے اور تنظیمات اہلسنت انتظامات کو حتمی شکل دیکر عوام اہلسنت کو سہولیات فراہم کریں۔

زندہ قومیں اپنے آباؤ اجداد اور اسلاف کی لازوال قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھتی ہیں، صوبائی وزیر

نصیرآباد میں بھی جشنِ آزادی کو قومی جوش و جذبے، وقار اور شایان شان انداز میں منایا جائے گا

نصیرآباد (این این آئی) صوبائی وزیر اریگیشن میر محمد صادق عمرانی نے کہا ہے کہ زندہ قومیں اپنے آباؤ اجداد اور اسلاف کی لازوال قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھتی ہیں، پاکستان کے قیام اور غلامی کی زنجیروں سے نجات کے لیے ہمارے بزرگوں نے بے مثال قربانیاں دیں جو ہماری قومی تاریخ کا ناقابل فراموش باب ہیں۔ پاکستان کی 79 ویں سالگرہ کے موقع پر نصیرآباد میں بھی جشن آزادی کو قومی جوش و جذبے، وقار اور شایان شان انداز میں منایا جائے گا، عمرانی ہاؤس نصیرآباد میں چراغاں اور آتش بازی کے ذریعے وطن عزیز سے والہانہ محبت اور قومی یکجہتی کا اظہار کیا جائے گا۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے عمرانی ہاؤس نصیرآباد میں جشن آزادی کی تیاریوں کا جائزہ لینے کے موقع پر گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر پاکستان پیپلز پارٹی کے ڈویژنل صدر و چیئرمین مارکیٹ کمیٹی نصیرآباد میر بلال صادق عمرانی، ایس ایچ او میر حسن تھانہ محمد عمر اعوان، نائب تحصیلدار خاوند بخش مگھو، پٹواری ذوالفقار علی رند، فاروق سیال غلام حسین رند سمیت بڑی تعداد میں شہری اور پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنان موجود تھے۔

اوستہ محمد، صدر پولیس تھانہ جرائم پیشہ عناصر کی آماجگاہ بن گیا، سٹریٹ کرائم میں مسلسل اضافہ

پولیس امن وامان کے قیام میں ناکام، ڈی آئی جی نصیرآباد اور ایس پی فوری نوٹس لیں، تاجر و عوامی حلقے

اوستہ محمد (یو این اے) اوستہ محمد صدر پولیس تھانہ جرائم پیشہ عناصر کی آماجگاہ بن چکا ہے، سٹریٹ کرائم کی وارداتوں میں مسلسل اضافے کے باعث شہری و تاجر برادری شدید ذہنی کوفت کا شکار ہے، جبکہ صدر پولیس امن وامان کے قیام میں بری طرح ناکام دکھائی دے رہی ہے۔ عوامی حلقوں نے حکام بالا سے فوری نوٹس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔ اوستہ محمد کے عوامی و تاجر حلقوں نے شدید غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ شہر میں چوری، ڈکیتی، موبائل فون اور موٹر سائیکل چھیننے سمیت دیگر جرائم میں اضافہ باعث تشویش ہے۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ جرائم پیشہ عناصر دیدہ دلیری سے وارداتیں کر رہے ہیں، جس کے باعث شہری خود کو غیر محفوظ تصور کرنے لگے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صدر پولیس تھانہ کی حدود میں گشت اور سنیپ چیکنگ کا نظام مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے، جبکہ جرائم پیشہ عناصر کے خلاف بلاامتیاز کارروائی عمل میں لائی جائے۔ عوامی حلقوں نے ڈی آئی جی پولیس نصیرآباد اور ایس پی اوستہ محمد سے مطالبہ کیا کہ صدر پولیس کی کارکردگی کا فوری نوٹس لیتے ہوئے شہر میں امن وامان کی صورتحال بہتر بنانے، سٹریٹ کرائم کے خاتمے اور شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں۔

عوام کو بنیادی صحت کی سہولیات کی فراہمی کیلئے بھرپور اقدامات جاری ہیں، ڈی ایچ او

کسی شہری کو علاج معالجے اور ضروری ادویات کے حصول کیلئے غیر ضروری مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے

گنداواہ (این این آئی) ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر جھل مگسی ڈاکٹر علی خان مگسی نے کہا ہے کہ عوام کو بنیادی اور معیاری صحت کی سہولیات کی فراہمی محکمہ صحت کی اولین ترجیح ہے، ضلع بھر میں صحت کے نظام کو مزید موثر بنانے اور عوام کو ان کی دہلیز پر طبی سہولیات و ضروری ادویات کی فراہمی کیلئے بھرپور اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے اپنے دفتر میں ملاقات کے دوران میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر نیوٹریشن جھل مگسی سیف اللہ ہاشمی، محکمہ صحت کے اہلکار حزب اللہ گھوٹیہ، ممتاز احمد بڑدو اور دیگر بھی موجود تھے۔ ڈی ایچ او ڈاکٹر علی خان مگسی نے کہا کہ محکمہ صحت جھل مگسی میں ضروری ادویات وافر مقدار میں دستیاب ہیں اور صحت مراکز کے ذریعے عوام کو ادویات کی فراہمی یقینی بنائی جا رہی ہے۔ دور دراز اور پسماندہ علاقوں کے عوام کو طبی سہولیات کی

کوئٹہ، ڈائریکٹر جنرل تعلقات عامہ بلوچستان عسکر خان ڈویژنل اور ڈسٹرکٹ انفارمیشن آفیسرز کے پرفارمنس انڈیکیٹرز (KPI) سے متعلق اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں

ڈیرہ مراد جمالی کے قریب نامعلوم مسلح افراد ہزاروں روپے نقدی اور موبائل فون چھین کر فرار

ڈیرہ مراد جمالی (این این آئی) ڈیرہ مراد جمالی کے قریب مسلح افراد نے ناکہ بندی کر کے متعدد افراد سے ہزاروں روپے نقدی ایک موٹر سائیکل چھین کر فرار ہو گئے پولیس کے مطابق ڈیرہ مراد جمالی سٹی پولیس تھانے کی حدود جمعہ واٹر کورس کے مقام پر نامعلوم مسلح افراد نے راستے میں ناکہ لگا کر متعدد افراد سے ہزاروں روپے نقدی درجنوں موبائل فون چھین کر فرار ہو گئے جبکہ صدر پولیس تھانے کی حدود میر حسن روڈ بلاول بھٹیار کے مقام پر مسلح افراد نے جاوید احمد سے موٹر سائیکل چھین کر فرار ہو گئے واقعے کی اطلاع پر پولیس موقع پر پہنچ گئی اور علاقے کی ناکہ بندی کر کے ملزمان کی

اوتھل، حکومت کا ملازمین سے رویہ مناسب نہیں، مطالبات کے لیے جیلیں کاٹیں

بلوچستان کے وسائل پر عوام کا حق ہے، کرپشن کا خاتمہ اور مساوی قانون کا نفاذ کیا جائے، ترجمان گرینڈ الائنس

اوتھل (یو این اے) پاکستان متحدہ فیڈریشن کے صوبائی صدر گرینڈ الائنس بلوچستان کے ترجمان و اریگیشن ایمپلائز یونین کے صوبائی صدر علی بخش جمالی نے گرینڈ الائنس اور ایمپلائز یونین کے عہدیداران کے ہمراہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملازمین کو اپنے حقوق کے مطالبے پر جیل بھی بھیجا گیا، تاہم گرینڈ الائنس کے کارکنوں نے جیلیں برداشت کیں لیکن اپنے حقوق کی جدوجہد سے پیچھے نہیں ہٹے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت بلوچستان کا ملازمین کے ساتھ رویہ مناسب نہیں، جبکہ گزشتہ ہفتے جاپان کے دورے کے دوران انہوں نے وہاں مزدوروں کو فراہم کی جانے والی سہولیات کا مشاہدہ کیا۔ ان کے مطابق جاپان میں مزدوروں کے لیے بہترین انشورنس اور دیگر سہولیات موجود ہیں، جبکہ پاکستان میں کم تنخواہ لینے والے ملازمین کو اپنے حقوق کے مطالبے پر گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ علی بخش جمالی نے کہا کہ اگر پاکستان میں بھی ترقی یافتہ ممالک

میٹروپولیٹن کارپوریشن کے ریٹائرڈ ملازمین احتجاجی مظاہرہ کر رہے ہیں

وفاقی محتسب کے حکم پر درخواست گزار امین اللہ کی بیوی کا 8 سال سے بلاک شناختی کارڈ 5 ماہ میں کھلوا دیا

کوئٹہ (این این آئی) وفاقی محتسب کے حکم پر درخواست گزار امین اللہ کی بیوی کا 8 سال سے بلاک شناختی کارڈ 5 ماہ میں کھلوا دیا گیا۔ درخواست گزار امین اللہ نے بتایا کہ ان کی بیوی بی بی رحیمہ کا شناختی کارڈ بغیر کسی وجہ کے پچھلے 8 سال سے بلاک کر دیا گیا تھا۔ جس کی بحالی کے لیے انہوں نے متعدد بار نادرا آفس کے چکر کاٹے کمیٹیوں میں پیش ہوئے لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ لہٰذا، انصاف کے حصول کے لیے وفاقی محتسب کوئٹہ کے دفتر سے رجوع کیا اور متعلقہ محکمے کی تاخیر اور عدم توجہی کے خلاف درخواست دائر کی درخواست موصول ہوتے ہی وفاقی محتسب کوئٹہ نے بروقت

میر غوث بخش بزنجو اصولی سیاست کے روشن منار تھے، علی احمد لانگو

بلوچستان میں امن کا راستہ طاقت کے بجائے بامعنی سیاسی مکالمے اور آئینی ضمانتوں میں مضمر ہے

کوئٹہ (یو این اے) نیشنل پارٹی کے مرکزی ترجمان علی احمد لانگو نے بابائے بلوچستان میر غوث بخش بزنجو کی برسی کے موقع پر جاری اپنے بیان میں کہا ہے کہ میر غوث بخش بزنجو کوئی عام سیاسی شخصیت نہیں تھے بلکہ وہ ایک عہد ایک تاریخ، ایک مکتب فکر ایک جمہوری روایت اور قومی بیداری کی ایسی روشن علامت تھے جن کی فکر آج بھی بلوچستان اور پاکستان کے سیاسی افق پر رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ ان کی ذات ایک ایسی تربیت گاہ تھی جہاں سیاست کو اقتدار کی خواہش نہیں بلکہ عوامی خدمت اصول پسندی، برداشت، رواداری اور قومی ذمہ داری کے طور پر سمجھا اور برتا جاتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ بابائے بلوچستان نے اپنی پوری سیاسی زندگی میں انسان دوستی، جمہوریت، پارلیمانی بالادستی قومی خودمختاری اور قومی حقوق کے لیے ایک باوقار اور اصولی جدوجہد کی۔ ان کو ادراک تھا کہ قوموں کے مسائل طاقت کے بجائے مکالمے، عوامی بالادستی اور عوامی اعتماد کے ذریعے حل ہوتے ہیں انہوں نے کہا کہ بابائے بلوچستان نے سیاست میں شائستگی، برداشت اور مکالمے کا چراغ روشن کیا تھا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ اپنے نظریے پر ثابت قدم رہتے ہوئے بھی مخالف رائے کے لیے گنجائش رکھی جا سکتی ہے، اور قومی حقوق کی جدوجہد کو نفرت، تعصب اور انتشار سے بچاتے ہوئے جمہوری اقدار کے دائرے میں آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ مگر

اسحاق ڈار کی زیرصدارت اجلاس، 14 ویں ساؤتھ ایشین گیمز کی تیاریوں کا جائزہ لیا گیا

اسلام آباد (این این آئی) نائب وزیراعظم و وزیر خارجہ سینیٹر محمد اسحاق ڈار نے 14 ویں ساؤتھ ایشین گیمز کی تیاریوں کا جائزہ لینے کے لیے منگل کو یہاں ایک اجلاس کی صدارت کی۔ دفتر خارجہ کے مطابق پاکستان مارچ 2027 میں ان کھیلوں کی میزبانی کرے گا۔ نائب وزیراعظم نے کھیلوں کے اہم امور کی نگرانی کے لیے ذیلی کمیٹیاں تشکیل دینے کی ہدایت کی جن میں مالیاتی امور، انفراسٹرکچر کی تعمیر و اپ گریڈیشن، کھلاڑیوں کی تربیت و تیاری اور لاجسٹک انتظامات شامل ہیں۔

پاکستان بزنس فورم کے صدر ڈاکٹر مشتاق احمد منگٹ اور سینئر نائب صدر سید اکبر شاہ کی مرکزی انجمن تاجران بلوچستان کے صدر عبدالرحیم کاکڑ اور دیگر سے وفد کے اراکین ملاقات کر رہے ہیں

گنداخہ، سولر سسٹم کی تقسیم میں مبینہ بے ضابطگیوں اور کرپشن پر شدید تشویش

کونسلران اور چیف آفیسر کی ملی بھگت سے ناانصافی کی گئی، نیب اور اعلیٰ حکام غیر جانبدارانہ انکوائری کرائیں

گنداخہ (یو این اے) بلوچستان نیشنل پارٹی ضلع اوستہ محمد کے سینئر رہنما ڈاکٹر محمد امین مینگل نے کہا ہے کہ میونسپل کمیٹی گنداخہ کے وارڈ نمبر 07 میں عوامی سہولت کے لیے فراہم کیے جانے والے سولر سسٹم کی مبینہ تقسیم میں بڑے پیمانے پر بے ضابطگیوں، اقربا پروری اور کرپشن کی انتہا ہوئی جو نہ صرف عوامی اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے مترادف ہے بلکہ مستحق شہریوں کے حقوق پر بھی سوالیہ نشان ہے۔ اپنے جاری کردہ بیان میں ڈاکٹر محمد امین مینگل نے الزام عائد کیا کہ وارڈ نمبر 07 کے متعلقہ کونسلران اور چیف آفیسر گنداخہ نے مبینہ طور پر ملی بھگت کے ذریعے سولر سسٹم کی تقسیم کے عمل کو شفاف رکھنے کے بجائے عوام کو گمراہ کیا، انہوں نے کہا کہ عوام کو مکمل سولر سیٹ فراہم کرنے کا تاثر دے کر بعض افراد سے خالی اسٹامپ پیپر پر دستخط لیے گئے، جبکہ بعد ازاں انہیں مکمل سولر سسٹم کے بجائے صرف ایک شمسی پلیٹ فراہم کر کے معاملہ ختم کرنے کی کوشش کی گئی، جس کی مکمل تحقیقات ضروری ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر منصوبے کے تحت سولر پلیٹ کے ساتھ بیٹری، پنکھا اور دیگر سامان فراہم کیا جانا تھا تو مستحق شہریوں کو مکمل سولر سیٹ فراہم نہ کیے جانے کی وجوہات عوام کے سامنے لائی جائیں۔

نامعلوم افراد کی فائرنگ سے سیاسی و قبائلی رہنما میر فاروق محمد حسنی جاں بحق

کوئٹہ (یو این اے) سریاب مل کے علاقے میں نامعلوم مسلح افراد کی فائرنگ سے سیاسی و قبائلی رہنما میر فاروق محمد حسنی جاں بحق ہو گئے۔ پولیس کے مطابق فائرنگ کا واقعہ سریاب مل میں پیش آیا، جہاں نامعلوم افراد نے میر فاروق محمد حسنی کو فائرنگ کا نشانہ بنایا۔ فائرنگ کے نتیجے میں وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔

صحبت پور، اریگیشن حکام کی جانب سے سابق نگران وزیراعظم کے بھائی نادر کھوسو و دیگر پر مقدمہ درج

صحبت پور (یو این اے) صحبت پور میں اریگیشن حکام کی جانب سے اپنی نااہلی چھپانے کے لیے زمینداروں کے خلاف صحبت پور تھانے میں مقدمہ درج کروا دیا گیا ہے، جس میں سابق سیکریٹری واپڈا اور سابق نگران وزیراعظم مرحوم جسٹس حاجی ہزار خان کھوسو کے بھائی نادر کھوسو سمیت دیگر کو نامزد کیا گیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق ایس ڈی او عابد کھوسو کی مدعیت میں صحبت پور تھانے میں یہ مقدمہ درج کیا گیا ہے۔ دوسری جانب عوامی و علاقائی حلقوں کی جانب سے اریگیشن حکام کے اس اقدام اور زمینداروں پر مقدمہ درج کروانے کی شدید الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔

کوئٹہ، تحریک انصاف کے رہنما رحیم کاکڑ کی شہر کو ٹھیکیداروں کے حوالے کرنے کی شدید مذمت

فارم 47 کے نمائندوں کے تین سالہ فنڈز کا نیب اور اینٹی کرپشن سے آڈٹ کرایا جائے، سابق میئر کوئٹہ

کوئٹہ (یو این اے) تحریک انصاف کے رہنما و سابق میئر کوئٹہ رحیم کاکڑ نے کوئٹہ شہر نام نہاد ٹھیکیداروں کے حوالے کرنے کی مذمت کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ کوئٹہ شہر میں ٹھیکیدار نما فارم 47 کے نام نہاد نمائندوں کے گزشتہ تین سالوں کا مکمل ترقیاتی فنڈز رمضان پیکج وغیرہ کا نیب اینٹی کرپشن مکمل طور سے تحقیقات کریں اور کرپشن اور کوئٹہ کو کھنڈر بنانے اور قبرستان بنانے والے چوروں کو عبرتناک سزائیں دی جائے بیان میں چیف جسٹس سے کوئٹہ میں لوٹ مار کرنے والوں کے خلاف کارروائی کریں تحریک انصاف ان چوروں کو زمین کے اندر بھی نہیں چھوڑے گی۔

وندر، پہلا آل حب لسبیلہ ڈاکٹر احمد خان رونجہ میموریل کرکٹ ٹورنامنٹ نمائی اسپورٹس بیلہ نے جیت لیا

فائنل میں نیو لگان ڈام کو 35 رنز سے شکست، شاہد ہوت کی شاندار آل راؤنڈ کارکردگی: حاجی پرویز احمد دودا کی شرکت

وندر (یو این اے) ڈام پہلا آل حب لسبیلہ بیاد مرحوم ڈاکٹر احمد خان رونجہ میموریل کرکٹ ٹورنامنٹ 2026 کا فائنل میچ نمائی اسپورٹس بیلہ نے نیو لگان کرکٹ کلب ڈام کو 35 رنز سے شکست دے کر ٹورنامنٹ کا ٹائٹل اپنے نام کر لیا۔ تفصیلات کے مطابق ساحلی علاقے ڈام میں منعقدہ پہلا آل حب لسبیلہ بیاد مرحوم ڈاکٹر احمد خان رونجہ میموریل کرکٹ ٹورنامنٹ 2026 کا شاندار اور سنسنی خیز فائنل میچ گورنمنٹ بوائز ہائی اسکول ڈام کے اسپورٹس گراؤنڈ میں نمائی اسپورٹس بیلہ اور نیو لگان کرکٹ کلب ڈام کے درمیان کھیلا گیا۔ نمائی اسپورٹس بیلہ نے شاندار کھیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیو لگان کرکٹ کلب ڈام کو 35 رنز سے شکست دے کر ٹورنامنٹ کا ٹائٹل اپنے نام کر لیا۔ فائنل میچ دیکھنے کے لیے شائقین کرکٹ کی ایک بڑی تعداد اسپورٹس گراؤنڈ میں موجود تھی جبکہ چوکے اور چھکوں پر تماشائیوں نے بھرپور جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ نمائی اسپورٹس بیلہ نے پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے مقررہ 10 اوورز میں ایک وکٹ کے نقصان پر 175 رنز کا پہاڑ کھڑا کر دیا۔

سبی، 14 اگست یومِ آزادی بھرپور جوش و جذبے اور شایانِ شان انداز میں منانے کی تیاریاں جاری

آزادی عظیم نعمت ہے، عوام قومی پرچم لہرائیں اور تجدید عہد کریں، کمشنر سبی ڈویژن اسداللہ فیض

سبی (یو این اے) سبی ڈویژن میں 14 اگست یوم آزادی پاکستان بھرپور قومی جوش و جذبے، ملی یکجہتی اور شایان شان انداز میں منانے کے لیے تیاریاں جاری ہیں۔ سبی ڈویژن کے کمشنر اسداللہ فیض نے کہا ہے کہ آزادی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور ہمارے بزرگوں کی لازوال قربانیوں کا ثمر ہے، اس لیے یوم آزادی کو بھرپور جوش و جذبے کے ساتھ منانا ہم سب کی قومی ذمہ داری ہے ورکنگ جرنلسٹ میڈیا گروپ کے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کمشنر سبی ڈویژن اسداللہ فیض نے کہا کہ یوم آزادی کے موقع پر سبی شہر سمیت ڈویژن بھر میں مختلف تقریبات کا انعقاد کیا جائے گا۔ سرکاری عمارات، اہم شاہراہوں اور دیگر مقامات کو قومی پرچموں، جھنڈیوں اور برقی قمقموں سے سجایا جائے گا، جبکہ مختلف سرکاری و نجی اداروں میں بھی جشن آزادی کی مناسبت سے خصوصی پروگرام منعقد ہوں گے انہوں نے کہا کہ اسکولوں میں یوم آزادی کے حوالے سے تقریری مقابلے، ملی نغمے، ٹیبلو، قومی ترانے اور دیگر تعلیمی و ثقافتی پروگرام منعقد کیے جائیں گے۔

سبی، ضلع بھر کے اسکولوں میں یومِ آزادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری

یوم آزادی قومی جوش و جذبے اور شایان شان انداز میں منایا جائے گا، ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر عبدالستار لانگو

سبی (یو این اے) وزیراعلیٰ بلوچستان اور ضلعی انتظامیہ کی خصوصی ہدایات پر ضلع بھر کے سرکاری و نجی اسکولوں میں یوم آزادی پاکستان کے حوالے سے تقریبات کی تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں، یوم آزادی کو قومی جوش و جذبے اور شایان شان انداز میں منایا جائے گا یہ باتیں ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر سبی عبدالستار لانگو نے گزشتہ روز ورکنگ جرنلسٹ میڈیا گروپ کے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہی انہوں نے کہا کہ یوم آزادی کے سلسلے میں ضلع بھر کے اسکولوں میں مختلف تقریبات کا انعقاد کیا جائے گا، جن میں ملی نغمے، تقاریر، ٹیبلو اور دیگر پروگرام شامل ہوں گے، جبکہ طلباء و طالبات کو وطن عزیز کی آزادی کی اہمیت اور اس کے لیے دی گئی قربانیوں سے بھی آگاہ کیا جائے گا عبدالستار لانگو کا کہنا تھا کہ آزادی ایک عظیم نعمت ہے، جس کی قدر کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ نوجوان نسل بالخصوص طلباء و طالبات کو قیام پاکستان کی تاریخ، قومی یکجہتی اور ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کے حوالے سے شعور اجاگر کیا جائے گا۔

کوہلو، اقرا پبلک گرائمر ہائی اسکول میں یومِ آزادی کی شاندار تقریب، طلبہ کی بہترین پرفارمنس

پاکستان عظیم نعمت ہے، تعلیم اور حب الوطنی سے ملک کو مضبوط بنانا ہوگا، کرنل نصیر احمد

کوہلو (یو این اے) جشن آزادی کے سلسلے میں اقرا پبلک گرائمر ہائی اسکول کوہلو میں ایک شاندار اور پروقار تقریب کا انعقاد کیا گیا جس کے مہمان خصوصی کمانڈنٹ میوند بریگیڈ کرنل نصیر احمد تھے۔ تقریب میں ملی جذبے حب الوطنی اور قومی یکجہتی کا بھرپور اظہار کیا گیا تقریب میں ونگ کمانڈر طلحہ علی خان، پی اے کمانڈنٹ میوند بریگیڈ شاہد نوکانی، ڈسٹرکٹ چیئرمین میر نثار احمد مری، اقرا پبلک گرائمر ہائی اسکول کے بانی میر باز محمد مری، قبائلی رہنما ڈاکٹر خالد مری، حاجی میر بہار خان مری، میر ایوب خان مری، میر احمد نواز، میر شاہجان مری، سیکرٹری جہالت تعلیمی پروگرام وڈیرہ غازی خان مری، سابق میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر صاحب خان مری، وڈیرہ رحمان ژنگ، سابق ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر عثمان شاہ، ڈپٹی ڈائریکٹر لائیو اسٹاک ڈاکٹر بہادر شاہ، ایڈووکیٹ میر جنگل خان، پرنسپل اقرا پبلک گرائمر ہائی اسکول جمال ناصر، ڈاکٹر جمعہ خان مری، وڈیرہ یعقوب خان سمیت عسکری حکام، ضلعی افسران، قبائلی عمائدین، سول سوسائٹی کے نمائندوں مختلف سرکاری و نجی تعلیمی اداروں کے اساتذہ، طلبہ، والدین اور شہریوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی تقریب کے دوران طلبہ نے ملی نغمے قومی ٹیبلوز، تقاریر اور مختلف خاکے پیش کیے جن میں تحریک پاکستان، بانیان پاکستان کی جدوجہد شہدائے وطن کی لازوال قربانیوں اور سبز ہلالی پرچم سے محبت کے جذبات کو نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا۔ ننھے طلبہ کی شاندار پرفارمنس نے حاضرین کے دل موہ لیے، جبکہ شرکاء نے بھرپور تالیاں بجا کر بچوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اس موقع پر کمانڈنٹ میوند بریگیڈ کرنل نصیر احمد ڈسٹرکٹ چیئرمین میر نثار احمد مری، اقرا پبلک گرائمر ہائی اسکول کے بانی میر باز محمد مری اور دیگر مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یوم آزادی پاکستانی قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور ہمارے بزرگوں کی بے مثال قربانیوں کا ثمر ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان لاکھوں مسلمانوں کی لازوال قربانیوں، عزم اور

مکھی شام لال لاسی کی سابق ایم این اے اسلم بھوتانی سے ملاقات

بیلا (یو این اے) جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے مرکزی اقلیتی رہنما اور سابق رکن صوبائی اسمبلی بلوچستان مکھی شام لال لاسی نے گزشتہ روز سابق رکن قومی اسمبلی محمد اسلم بھوتانی سے ملاقات کی اور ان کی مزاج پرسی کی، جبکہ اس موقع پر مختلف سیاسی و علاقائی امور پر باہمی تبادلہ خیال بھی کیا گیا۔

صحبت پور، سہ ملکی دفاعی معاہدے کا خیر مقدم، ڈی سی آفس اور میونسپل کمیٹی پر بینرز آویزاں کر دیے گئے ہیں

صحبت پور (یو این اے) پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کے درمیان مکہ مکرمہ میں طے پانے والے تاریخی سہ ملکی دفاعی معاہدے کی گونج صحبت پور تک پہنچ گئی ہے، جہاں اس اہم عمل کے خیر مقدم میں بینرز اور پوسٹرز آویزاں کر دیے گئے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق ڈپٹی کمشنر آفس اور میونسپل کمیٹی صحبت پور سمیت دیگر سرکاری دفاتر پر خیر مقدمی پوسٹرز آویزاں کیے گئے ہیں۔

کوئٹہ، کوئٹہ ویلفیئر سوسائٹی کے صدر محمد نعیم مدنی، نعمان شاہ، کامران مدنی، شاہ محمد، حافظ نور حق، محمد فاروق اور دیگر تھیلیسیمیا سینٹر میں مریض بچوں کو آئس کریم کھلا رہے ہیں

کوئٹہ، فضل فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ... پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے جا رہے ہیں

چھتر، آزادی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اس کی قدر کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے، میر ارشد حسین کھوسہ

پاکستان نے ہمیں آزادانہ زندگی اور ترقی کے مواقع فراہم کیے، ملک کی سلامتی اور اتحاد کے لیے کردار ادا کرنا ہوگا

چھتر (یو این اے) آزادی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اس کی قدر کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے میر ارشد حسین خان کھوسہ تفصیلات کے مطابق نصیرآباد کی سیاسی و قبائلی شخصیت و معروف زمیندار میر ارشد حسین خان کھوسہ نے کہا ہے کہ آزادی اللہ تعالیٰ کی جانب سے پاکستانی قوم کے لیے ایک عظیم نعمت ہے، جس کی قدر و منزلت ہم سب کی قومی ذمہ داری ہے۔ پاکستان نے ہمیں آزادانہ زندگی گزارنے، تعلیم حاصل کرنے، اپنے مستقبل کے فیصلے کرنے اور اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کے مواقع فراہم کیے ہیں میر ارشد حسین خان کھوسہ نے کہا کہ آزادی ہمارے بزرگوں اور قائداعظم محمد علی جناح کی عظیم جدوجہد اور قربانیوں کا ثمر ہے۔ ہمارے بزرگوں نے ایک آزاد وطن کے حصول کے لیے بے شمار قربانیاں دیں، جبکہ قائداعظم کی قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں نے متحد ہو کر پاکستان کے قیام کے لیے تاریخی جدوجہد کی میر ارشد حسین خان کھوسہ نے کہا کہ آزادی صرف ایک لفظ نہیں، بلکہ ایک عظیم نعمت اور قومی ذمہ داری کا نام ہے۔ وطن عزیز پاکستان کی بدولت ہم آزاد فضا میں زندگی

سوئی کشمور روڈ تنازعہ مزاری اور بگٹی قبائل کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی

ڈیرہ مراد جمالی (این این آئی) ڈیرہ بگٹی سوئی کشمور روڈ تنازعہ مزاری اور بگٹی قبائل کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی مزاری قبیلے نے سوئی کشمور روڈ کو ٹریفک کے لیے بند کر دی اطلاعات کے مطابق ڈیرہ بگٹی سوئی اور کشمور روڈ پر مبینہ تنازعہ مزاری قبیلے اور زرکانی بگٹی قبائل کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی۔

حضرو، 2 بیویوں کے قاتل نے ضمانت پر رہا ہوتے ہی 3 سالہ بیٹے کو قتل کر دیا

اٹک (این این آئی) اپنی دو بیویوں کے قاتل نے عدالت سے ضمانت پر رہا ہوتے ہی 3 سالہ بیٹے کو بھی قتل کر دیا۔ تھانہ حضرو کی حدود میں گاں غور غشتی کے قبرستان سے ملنے والی 3 سالہ بچے کی لاش کا معمہ حل ہو گیا۔ پولیس کے مطابق مقتول بچے عمر شاہ کا سگا باپ ہی اس کا قاتل نکلا،

ژوب، محکمہ لائیوسٹاک کی جانب سے مویشیوں کی ویکسینیشن اور علاج مہم جاری

یونین کونسل شفالا مردانزئی میں ہزاروں مویشیوں کی معائنہ و ویکسینیشن، مالداروں کی معاشی حالت بہتر ہوگی

ژوب (یو این اے) محکمہ لائیوسٹاک ضلع ژوب کے زیر اہتمام یورپی یونین ای یو کے مالی تعاون اور اقوام متحدہ کے ادارے ایف اے او کی زیر قیادت جاری ای یو لائیوسٹاک پروجیکٹ بلوچستان، ژوب میں بھرپور شرکت جاری ہے اس منصوبے کے تحت ضلع ژوب کی تمام یونین کونسلز میں مویشیوں کو متعدی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ادویات، ویکسین اور دیگر ویٹرنری سہولیات فراہم کی جا رہی ہیں۔ اسی سلسلے میں محکمہ لائیوسٹاک ژوب کی جانب سے یونین کونسل شفالا مردانزئی میں چار ٹیموں نے ڈسٹرکٹ لائیوسٹاک آفیسر

راجے گزر کے لیے جاری 300 کے قریب نئی انٹریاں نامنظور

میرٹ پر حقداروں کو انٹری دی جائیں، حاجی میر عنایت اللہ نوتیزئی

دالبندین (این این آئی) دالبندین بابائے چاغی بینٹل کے سرکردہ رہنما حاجی میر عنایت اللہ خان نوتیزئی نے گزشتہ روز راجے گزر کے لیے جاری کی جانے والی 300 کے قریب نئی انٹریوں پر شدید تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ انٹریوں کی تقسیم شفاف اور میرٹ کی بنیاد پر کی جائے۔ اپنے ایک جاری کردہ بیان میں حاجی میر عنایت اللہ خان نوتیزئی نے کہا کہ سنجرانی بینٹل کی جانب سے مبینہ طور پر اپنے من پسند افراد میں تقسیم کی جانے والی نئی انٹریاں کسی صورت قابل قبول نہیں۔ تمام متعلقہ ارباب اختیار فوری طور پر جاری کردہ ناموں کا جائزہ لیں اور اگر کسی قسم کی بے ضابطگی یا غیر منصفانہ تقسیم سامنے آئے تو ایسی انٹریاں منسوخ کر کے حقیقی حقدار اور مستحق افراد کو میرٹ کی بنیاد پر ان کا حق دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ چاغی کے عوام نے کئی سال کی جدوجہد اور

مچھ کے قریب ٹریفک حادثے میں آٹھ افراد زخمی ہو گئے

ڈیرہ مراد جمالی (این این آئی) کچھی مچھ کے قریب ٹریفک حادثہ آٹھ افراد زخمی ہو گئے زخمیوں کو مچھ منتقل کر دیا گیا پولیس کے مطابق کچھی مچھ پولیس تھانے کی حدود قومی شاہراہ پر گاڑی الٹنے سے آٹھ افراد زخمی ہو گئے زخمیوں کو سول اسپتال مچھ منتقل کر دیا گیا واقعے کے بارے میں مقامی پولیس مزید تحقیقات کر رہی ہے

حاجی شہر کے قریب نامعلوم مسلح افراد مسافروں سے نقدی اور موبائل فون چھین کر فرار، گاڑیوں پر فائرنگ

ڈیرہ مراد جمالی (این این آئی) کچھی حاجی شہر پولیس تھانے کی حدود ڈھنگرا قومی شاہراہ پر ڈاکوؤں کی لوٹ مار مسافروں سے لاکھوں روپے نقدی موبائل فونز گھڑیاں و دیگر سامان لوٹ لیا ڈاکوؤں کی گاڑیوں پر بھی فائرنگ پولیس کے مطابق کچھی کے علاقے پولیس تھانہ حاجی شہر کی حدود قومی شاہراہ ڈھنگرے کے مقام پر گزشتہ شب نامعلوم درجنوں ڈاکوؤں نے ناکہ لگا کر متعدد چھوٹی بڑی گاڑیوں کے مسافروں سے لوٹ مار کرتے رہے مسافروں سے لاکھوں روپے نقدی درجنوں

سبی، غیر قانونی کنکشنز کے خلاف پبلک ہیلتھ انجینئرنگ کی سخت کارروائی

متعدد کنکشنز منقطع، شہری واٹر ٹیکس کی بروقت ادائیگی اور قانونی طریقہ کار اختیار کریں، سپروائزر ملک اسد سیلاچی

سبی (یو این اے) محکمہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ نے واٹر ٹیکس کی عدم ادائیگی اور بغیر اجازت پانی کے کنکشن استعمال کرنے والے صارفین کے خلاف کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے مختلف علاقوں میں متعدد کنکشن منقطع کر دیے ایکسین پبلک ہیلتھ انجینئرنگ سبی شہزادہ فروخ بلوچ اور ایس ڈی او گلاب سومرو کی ہدایات پر سپروائزر ملک اسد سیلاچی کی زیر نگرانی محکمہ پبلک ہیلتھ کی ٹیم نے شدید گرمی کے باوجود سبی شہر کے مختلف علاقوں اللہ آباد، ہاشمی مسجد، ٹی وی پوسٹر روڈ اور دیگر مقامات کا دورہ کیا اور واٹر ٹیکس جمع نہ کرانے والے صارفین کے کنکشن کاٹ دیے۔ محکمہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ کے حکام کے مطابق واٹر سپلائی نظام کو بہتر انداز میں چلانے، پانی کی فراہمی کو یقینی بنانے اور شہریوں کو بلاتعطل پینے کا پانی فراہم کرنے کے لیے واٹر ٹیکس کی بروقت ادائیگی انتہائی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں نادہندگان کو پہلے بھی واٹر ٹیکس کی ادائیگی کی ہدایات دی جاتی رہی ہیں، تاہم عدم ادائیگی کا سلسلہ جاری رہنے پر محکمہ نے عملی کارروائی کا فیصلہ کیا ہے اس موقع پر سپروائزر ملک اسد سیلاچی نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ محکمہ پبلک ہیلتھ انجینئرنگ کی ذمہ داری شہریوں کو پانی کی فراہمی یقینی بنانا ہے اور پانی دینا ہمارا فرض ہے، تاہم شہریوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے ماہانہ واٹر ٹیکس باقاعدگی سے جمع کرائیں۔ انہوں نے کہا کہ محکمہ پانی کی فراہمی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہا ہے۔ مگر شہریوں کے تعاون کے بغیر نظام کو موثر طریقے سے چلانا مشکل ہے انہوں نے شہریوں سے اپیل کی کہ وہ بغیر اجازت پانی کے کنکشن ہرگز نہ لگائیں اور نہ ہی کسی غیر قانونی طریقے سے سرکاری واٹر سپلائی لائن سے پانی

اوتھل، گورنمنٹ بوائز ماڈل ہائر سیکنڈری اسکول کی لائبریری فعال، طلبہ کے لیے جدید تعلیمی سہولیات فراہم

کتاب اور مطالعہ روشن مستقبل کی بنیاد ہیں، لائبریری کے قیام سے طلبہ کی علمی صلاحیتوں کو فروغ ملے گا، پرنسپل محمد سلیم سرپراہ

اوتھل (یو این اے) گورنمنٹ بوائز ماڈل ہائر سیکنڈری اسکول اوتھل، ضلع لسبیلہ کی لائبریری کو فعال اور جدید تعلیمی ضروریات کے مطابق موثر تعلیمی مرکز بنا دیا گیا ہے۔ لائبریری انچارج شفیع محمد کی کاوشوں سے لائبریری کو باقاعدہ طور پر فعال کیا گیا، جس کا مقصد طلبہ میں مطالعے، تحقیق، خود سیکھنے اور علمی و فکری صلاحیتوں کو فروغ دینا ہے۔ فعال کی گئی لائبریری میں طلبہ کے لیے نصابی کتب، ریفرنس بکس، جنرل نالج کا مواد، ادب، اخبارات اور دیگر تعلیمی وسائل دستیاب ہوں گے۔

کوئٹہ، عدالت عالیہ کے حکم پر ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر ریونیو کوئٹہ حافظ محمد طارق اسکسب اور زرغون روڈ پر تجاوزات کے خاتمے کے حوالے سے منعقدہ اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں

باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت وزارت اطلاعات ونشریات حکومت پاکستان

ABC CERTIFIED

Daily AAINA Quetta

روزنامہ آئینہ کوئٹہ

قیمت 5 روپے

بانی: منصور الہدیٰ عباسی

ریذیڈنٹ ایڈیٹر

چیف ایڈیٹر عامر امیر اعوان

ایڈیٹر فیصل کریم

03332831889 ❋ Daily.aaina94@gmail.com

چیف ایڈیٹر و پبلشر عامر امیر اعوان نے روزنامہ آئینہ کوئٹہ کمپوزر پرنٹرز پرائیویٹ لمیٹڈ میں چھپوا کر دفتر 13/28-9 پاکستان لائن کواری روڈ کوئٹہ سے شائع کیا

بے صبرو ذرا نیچے دیکھو

نسیم شاہد

عہد موجود میں ہر شخص بے صبری کی بیماری میں مبتلا ہو چکا ہے۔ شکر گزاری ناپید ہو گئی ہے اور شکوہ طرازی معمول بن گئی ہے۔ کیا اس طرح معاشرے چلتے ہیں؟ کیا اپنے حق سے زیادہ حاصل کرنے کا جنون زندگی میں ٹھہراؤ رہنے دیتا ہے؟ یہ بے صبری کئی اقسام کی ہے جو سب سے پہلے ہماری ان نعمتوں کو چاٹ جاتی ہے جو قدرت نے ہمیں دے رکھی ہیں اور بے صبری میں مبتلا ہو کر ہم سب سے پہلا نقصان تو یہ کرتے ہیں کہ خود بے چین، افسردہ، خوشی سے نا آشنا، دکھی اور زندگی سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ صبر سے کام لیں تو کئی چیزیں ہمارے لئے آسان ہو جائیں۔ دو روز پہلے ڈاکٹر ذوالفقار علی رمانی کے ساتھ ایک چلڈرن کمپلیکس ہسپتال ملتان کے تھیلیسیمیا اور کینسر وارڈز کا دورہ کیا۔ اس پر لکھیں کہ وہاں زندگی کس دکھ کے ساتھ گزر رہی ہے۔ کل میں وہاں چلا گیا، یہ وہ بچے ہیں جو بچ بھی جائیں تو 18 سال سے زیادہ مشکل ہی سے جیتے ہیں۔ وہاں ان کی مائیں بھی موجود تھیں، جن کی آنکھوں میں ایک دکھ تھا جس میں اپنی اداسی اور غم تھا۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی نے بتایا کہ ان بچوں کا سب سے بڑا مسئلہ انسانی خون ہے۔ خون لگا کر ان کی زندگی چلتی رہتی ہے۔ اب تھیلیسیمیا کے بچوں کی ملک میں تعداد ایک لاکھ ہو چکی ہے جن کے لیے لاکھوں خون کی بوتلیں سالانہ درکار ہوتی ہیں۔ بلڈ کینسر میں مبتلا بچوں کے لیے بھی خون اتنا ہی ضروری ہے۔ میں نے ان وارڈز میں جتنے گھنٹے گزارے تو مجھے لگا کہ میں دنیا کا سب سے بڑا آدمی ہوں کہ ایک ایک بچے کی صورت غم کی کہانی میرے سامنے رقصاں تھی۔ البتہ مجھے وہاں جانے کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ میرے اندر کی کثافتیں دور ہو گئیں۔ وہ حرص، طمع، احساس محرومی اور بے صبری جو ہر وقت تنگ کیے رکھتی تھی، صابن کے میل کی طرح نکل گئیں۔ ایک شکر گزاری کا جذبہ دل میں امنڈ آیا کہ اللہ نے مجھے ایسے کسی امتحان سے محفوظ رکھا۔ اگر میں بھی کسی ایسے بچے کا باپ ہوتا تو زندگی کیسے گزرتی۔ یہ خیال ہی مار ڈالتا ہے کہ اس نے زیادہ عرصے میرے ساتھ نہیں رہنا۔ چھوڑ کے چلے جانا ہے۔ پھر میں زندگی کی آہستہ چلنے کی دعائیں مانگتا کہ جتنا آہستہ چلے گی۔ میں گھر واپس آیا تو میں نے سوشل میڈیا پر ایک ویڈیو دیکھی۔ غالباً بھکر یا کسی دوسرے ضلع کے ڈپٹی کمشنر نے تھیلیسیمیا میں مبتلا ایک 19 سالہ بچی کو ایک دن کے لئے ڈپٹی کمشنر بنا دیا تھا، وہی پروٹوکول اور وہی افسرانہ دبدبہ، وہ بچی بڑے فخر اور خوشی سے ڈی سی کی کرسی پر بیٹھے کام کرتی نظر آئی، مگر پھر یہ خبر میرے دل پر بجلی بن کر گری کہ اگلے دن اس کی زندگی ختم ہو گئی۔ وہ اس دنیا سے چلی گئی۔

ہماری بے صبری کا عالم یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کڑھتے ہیں، غمزدہ ہو جاتے ہیں، اپنے محلے میں اس گھر کو نہیں دیکھتے جہاں تین نوجوان معذوری کی حالت میں وہیل چیئر پر بیٹھے ہیں، لیکن وہ گھر ہمارے نشانے پر رہتا ہے جہاں کوئی بڑی گاڑی آ گئی ہو یا اس نے کئی مرلے میں گھر بنایا ہو۔

فاعتبروا!

ڈاکٹر یونس حسنی

ایک زمانے میں ذوالفقار علی بھٹو صاحب اپنی سیاسی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ اور ملک کے انتہائی مقبول رہنما تھے۔ سیاستیجہ یہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب خود ایک عالم بے بدل تھے اور اس زمانے کے چانسلر صاحب نے ان کی لیاقت، غیر معمولی شرافت اور علم و عمل سے آراستہ شخصیت ہونے کے باعث انھیں جامعہ کراچی کا شیخ الجامعہ مقرر کیا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس منصب جلیلہ کے تقاضوں کو بہ خوبی جانتے تھے اور اس عہدے کا احترام کرانے کا سلیقہ ان میں ودیعت کیا گیا تھا۔

ایک زمانے میں ذوالفقار علی بھٹو صاحب اپنی سیاسی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ اور ملک کے انتہائی مقبول رہنما تھے۔ ان کی تقاریر جلسوں میں آگ لگا دیتیں، نوجوانوں کے وہ محبوب لیڈر تو تھے ہی ملک کی اشرافیہ بھی ان سے مرعوب تھی۔ سیاستیجہ یہ انھیں اشتیاق حسین قریشی صاحب سے نظریاتی اختلاف تھا اور سیاست کے جوش میں انھوں نے ایک جلسہ عام میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے لیے کچھ نامناسب الفاظ کہے۔ ڈاکٹر صاحب بھلا اس کا کیا جواب دیتے، البتہ ملک کے علمی حلقوں میں ڈاکٹر صاحب کی غیر معمولی مقبولیت کے باوجود ان کے رویے کو ناپسند کیا گیا۔ علم و صاحب علم کی عظمت کا احساس ابھی باقی تھا۔

پھر ڈاکٹر محمود حسین صاحب شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔ وہ بھی سراپا علم اور علم کے علم بردار تھے۔ ان کے زمانے میں ایک روز چند طالب علموں نے انھیں جامعہ کی چھوٹی سی لفٹ کے پاس روکا اور اپنے کچھ مطالبات پیش کیے۔ ڈاکٹر صاحب نے انھیں سنا اور ان پر ہمدردی سے غور کرنے کا اور اس کی روشنی میں اقدام کرنے کا وعدہ کیا۔ ایک طالب علم کو عین اس وقت جب صاحب موصوف اپنی بات ختم کر کے لفٹ میں سوار ہونے جانے لگے، کوئی اور مطالبہ بھی یاد آ گیا۔ وہ تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھا اور ڈاکٹر صاحب کی شیروانی کا دامن ہی چھو سکا کہ لفٹ چل پڑی مگر ڈاکٹر صاحب کی شیروانی کا دامن لفٹ کے دروازے میں اٹک گیا۔ اس سے نقصان تو کچھ بھی نہیں ہوا، البتہ ڈاکٹر صاحب کو طالب علم کی یہ جرات غیر مہذب اور ناشائستہ لگی، وہ اوپر اپنے کمرے میں گئے، استعفیٰ لکھا اور گھر چلے گئے۔

کچھ مدت بعد ڈاکٹر احسان رشید شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔ اس وقت تک جامعہ میں فائرنگ کے رواج کی ابتدا ہوئی تھی۔ ایک روز طلبا نے کسی معاملے میں مشتعل ہو کر شیخ الجامعہ کے دفتر کے باہر نعرے بازی کی، جامعہ کے ارباب حل وعقد نے لڑکوں کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کر دیا مگر احسان رشید صاحب کو یہ بات سخت ناگوار گزری، وہ اپنی گاڑی میں بیٹھے گھر آئے اور دوسرے دن وہ دفتر میں نہیں آئے، ان کا استعفیٰ آیا۔

یہ تھے وہ لوگ جو شیخ الجامعہ کے منصب اعلیٰ پر فائز ہونے کے لائق تھے۔ وہ اس منصب کے صرف اہل نہ تھے بلکہ اس کی عظمت کے تحفظ کے امین بھی تھے۔ وہ اسے ملازمت نہیں سمجھتے تھے بلکہ نوجوان نسل کی تربیت کا مقدس فریضہ خیال کرتے تھے اور اگر کبھی ان کے منصب پر حرف آنے لگتا تو کوئی مصلحت آڑے نہیں آتی تھی۔

وہ اپنے دامن پر آنے والی آنچ کو دراصل جامعہ اور اس کے ماحول کی توہین گردانتے تھے اس لیے ذرا سی بدتمیزی بھی انھیں بہت نظر آتی تھی اور اس سے بے زاری وہ مستعفی ہو کر دیتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک کسی عہدے سے چمٹے رہنا اس عہدے کا احترام نہیں بلکہ اسے دوسروں کے حوالے کر کے اس کے تحفظ کو یقینی بنانا ضروری ہوتا ہے جب طالب علم معمولی سی شکایات پر شیخ الجامعہ کا گھیراؤ کرنے لگیں تو انھیں سبق سکھانے کے لیے عہدہ چھوڑ دینا ضروری خیال کرتے تھے۔

اب تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھ لیجیے۔

دروغ برگردن راوی سنا ہے کہ جامعہ اردو آج کل شدید مالی بحران میں مبتلا ہے نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اساتذہ کو کئی کئی ماہ تنخواہیں نہیں مل پاتیں۔ یہ قومی زبان میں تدریس کا واحد علمی ادارہ ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ اردو یونیورسٹی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس جامعہ کا تحفظ اہتمام کے ساتھ کیا جاتا مگر یہاں تو جامعہ کے اساتذہ کے ہاتھوں میں کشکول گدائی تھما دیا گیا ہے۔

راوی ہی کے مطابق جامعہ کے شیخ کے فرائض میں شامل ہے کہ جامعہ کے تقدس، ترقی اور تدریسی خدمات کی بہتری کے لیے وہ مناسب اقدامات کرے مگر شاید اب شیوخ الجامعہ کوئی اچھی مثال قائم کرنے کے لیے مطلق تیار نہیں ہیں۔

کئی ماہ سے قوت لایموت سے محروم اساتذہ طرح طرح احتجاج کرتے رہے اور فقیرانہ صدائیں بلند کرتے رہے مگر ایوان صدر سے لے کر عوامی سرکار تک کسی کے سر میں جوں نہ رینگی۔ یہ صورت حال دیکھ کر ایک استاد اب انھیں شیخ الجامعہ کے بجائے وائس چانسلر کہنا ہی مناسب ہے کیونکہ اردو لقب اب جامعہ اردو کے شیخ الجامعہ کو زیب نہیں دیتا، وہ وائس چانسلر ہی اچھے۔ چنانچہ ان وائس چانسلر کی دفتر سے روانگی کے وقت ایک دلیر استاد نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ان کی گاڑی کے آگے لیٹ گیا کہ روز روز مرتے رہنے سے بہتر ہے ایک بار ہی مر لیا جائے۔ وائس چانسلر صاحب نے گاڑی چھوڑی اور جامعہ سے باہر آ کر رکشہ لیا اور چلتے بنے، گاڑی وہیں چھوڑی کہ گاڑی کا تو کوئی قصور نہ تھا۔

ایک بزرگ مجھے اکثر ملتے تھے، واک کے دوران بھی کہیں نظر آ جاتے تو میں ان کے پاس ضرور جاتا، وہ پہلا سوال ہی یہ کرتے تھے، آج شکر ادا کیا، میں کہتا تھا ہاں کیا ہے۔ ایک بار چند دوست بھی میرے ساتھ تھے۔ ہم گئے ملنے تو ان کا سوال یہی تھا، اس پر ایک دوست جلد بازی میں پوچھ بیٹھے، کس بات کا شکر جناب، انہوں نے حیرت زدہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ کر کہا اس بات کا کہ تم آج بھی واک کر رہے ہو، واک کرنے کے قابل ہو۔ پھر انہوں نے دور سے وہیل چیئر پر آتے ہوئے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا، جسے ایک آدمی چلا کر لا رہا تھا۔ اس حالت میں پہنچو گے تو شکر کرو گے؟ یہ سنتے ہی میرے دوست پر لرزہ طاری ہو گیا۔ نہیں نہیں سرکار میں نے تو ویسے ہی پوچھا تھا کہ کوئی خاص بات ہوئی ہے جس کا شکر ادا کیا جائے۔ انہوں نے کہا یہ خاص بات تھوڑی ہے کہ تم اپنے قدموں پر کھڑے ہو۔ ذرا ہسپتال کے ہڈی جوڑ وارڈ کا چکر تو لگا، جن ٹانگوں، بازوں، ریڑھ کی ہڈی اور دماغ کی سلامتی پر تم شکر ادا نہیں کر رہے وہ کتنے لوگوں کی زندگی کا سب سے بڑا دکھ بنی ہوئی ہے۔ پھر انہوں نے کہا صرف دو لفظوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لو کبھی غم، دکھ، مایوسی اور ڈپریشن تمہارے پاس نہیں آئے گی ایک صبر اور دوسرا شکر ہے، اب جاؤ واک کرو۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ ایسی باتیں زندگی کی اندھا دھند دوڑ میں کیسے سمجھ آتی ہیں۔ ہر بندہ دکھی ہے اور کھوج لگائیں تو دکھ کی وجہ یہی بے صبری اور ناشکری نظر آئے گی۔ سڑکوں پر بے صبری قیامتیں ڈھا رہی ہے۔ اپنی لائن اور لین میں نہ رہنا زندگی سے محروم کر دیتا ہے یا زندگی کو اپاہج بنا دیتا ہے۔ دفتروں میں یہی بے صبری ایک سازشی ماحول کو جنم دیتی ہے جس میں ہر کوئی دوسرے سے آگے نکلنا چاہتا ہے۔ دولت کے حصول میں بھی اور ترقی میں بھی۔ سکون کی زندگی بذات خود ایک بڑی نعمت ہے۔ روکھی سوکھی کھا کے پرسکون زندگی گزر رہی ہو تو وہ اس زندگی سے کہیں بہتر ہے جس میں اولاد کا دکھ، اپنی بیماری کا دکھ یا کسی عزیز کی معذوری کا غم موجود ہو۔ ان سے بچے ہوئے ہیں تو سمجھو آپ سے بڑا خوش نصیب کوئی نہیں۔ یہ صبر کی جگہ ہے شکوے کی نہیں۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی نعمتیں ہیں خدانخواستہ

چھوٹی سی دنیا، آپ اپنی ولایت

شاہد ملک

ہمارے بزرگوں میں بی بی سی اردو کے سید اطہر علی آخری آدمی تھے جنہوں نے کار کو کار کبھی نہ کہا، ہمیشہ موٹر ہی کہتے رہے۔ اس سے زیادہ اپنائیت کا احساس جید صحافی آئی اے رحمان کی زبان سے انگلینڈ کے لیے ولایت کا لفظ سن کر ہوا کرتا۔ اپنائیت اس لیے کہ ہمارے بچپن میں، جب پاکستان بنے سات آٹھ برس ہوئے ہوں گے، ولایت اور ولایتی کے الفاظ اکثر سننے میں آتے۔ افراد ہی نہیں، اشیا بھی دو حقیقی یا خیالی زمروں میں تقسیم تھیں۔ لوگ کہتے یہ سامان دیسی ہے اور دوسرا میڈ ان انگلینڈ۔ عجیب بات کہ راہوالی کی گرد آلود کھانڈ دیسی چینی کہلاتی اور مردان کی پریمیئر مِل کی چمکدار شوگر ولایتی چینی۔ البتہ سیالکوٹ کی سی ایس ڈی اور ایمیلیا ہوٹل کی ڈیوڑھی میں آغا کے شیلف میں سجی ولایتی ٹافیوں کی مسحور کن خوشبو آبائی محلے کی ان چوسنے والی دیسی گولیوں سے بہت مختلف ہوتی جنہیں بعد میں ہمارے دانشور دوست شاہد مسعود نے اجزائے ترکیبی کی بنا پر گڑ کینڈی کا نام دیا تھا۔

ولایتی مصنوعات کی برتری پر اولین چوٹ بناسپتی گھی نے لگائی۔ ایک تو دیسی کے مقابلے میں یہ واحد کم قیمت ولایتی آئٹم تھا۔ دوسرے زرعی سے صنعتی سماج میں بدلنے والی بیشتر آبادی گھر کے دودھ گھیو کے برعکس ویجیٹیبل آئل کا استعمال کسرِ شان سمجھا کرتی۔ پر جناب، دیسی، ولایتی کی تمیز میں بناسپتی گھی کا مسئلہ معمول سے ہٹ کر ہے۔ ورنہ وہ دن نہیں بھولتا جب سنگر سلائی مشین پر بیٹیوں کے کپڑے سیتے ہوئے والدہ سے مشین کی سوئی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ بڑا بچہ ہونے کے ناتے مجھی کو نئی سوئی کے لیے بازار بھیجا گیا۔ دکاندار کا کہنا تھا کہ جاپانی سوئی پچیس پیسے، جرمن چالیس اور انگلش پچاس پیسے میں ملے گی۔ یوں لگا کہ اس کیش پر چیز کے ٹنڈر کھولنا میرے اختیار میں نہیں۔ پوچھنے کے لیے گھر لوٹا تو ماں کے منہ سے انگلش کا لفظ اتنے اعتماد سے نکلا جیسے وہ میری ناسمجھی کا مذاق اڑا رہی ہوں۔

تب گرمی کی چھٹیوں میں علامہ اقبال کی بانگ درا کا ایک نسخہ ہمارا ہاتھ لگ گیا تھا۔ کئی غزلوں کا ترنم سیٹ کرنے میں محمد رفیع اور لتا منگیشکر سے چھوٹے بھائی زاہد اور میں نے جو مدد لی اس کا ذکر ایک کتاب میں کر چکا ہوں۔ طویل نظم تصویرِ درد تہہ دار معانی کے باوجود آسان لگی کہ اسے گانے کے لیے ابوالاثر حفیظ جالندھری کے سلام اے آمنہ کے لال والی دھن موجود تھی۔ مگر گیارہ، بارہ سال کے لڑکوں نے جب متن پر غور کیا تو الجھا پیدا ہونے لگا۔ یہ ٹھیک ہے کہ چند روز پہلے نواب کلب علی خاں فائق رامپوری کے مرتب کردہ مکاتیب غالب میں ہم ایک لفظ کو خس کی ٹٹی کی جگہ پکھا اور سمجھ کر بہت ہنسے تھے۔ والد سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اسے ماضی میں برقی پنکھے کا متبادل سمجھ لو۔ تصویر درد والا مغالطہ زیادہ گمبھیر ہے۔

دراصل یہ غلطی اتنی باریک تھی کہ ہمیں کوتاہی کا شائبہ گزرا نہ یہ احساس ہوا کہ کسی سے معانی پوچھنے کی کوشش کریں۔ علامہ کا مصرع تھا میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں۔ ولایت کی تفہیم کے لیے ولی اور والی سے مدد لینے کا خیال نہ آیا جو دوستی، قربت اور روحانی تعلق کا اشارہ ہیں۔ سیاسی زاویے سے راجا کی قلمرو رجواڑا کہلاتی تھی، رئیس کی عملداری ریاست اور والی کے زیرِ نگیں علاقہ ولایت۔ ہم یہی سمجھے کہ علامہ نے خود کو انگلینڈ سے تشبیہ دی ہے۔

تشبیہ کے بھید چھیالیس سال پہلے کھلے جب برٹش کونسل نے انگریزی تدریس کے پوسٹ گریجوایٹ کورس کے بہانے سال بھر کے لیے ایک برطانوی یونیورسٹی میں بھیج دیا۔ برٹش کونسل کی تحریری ہدایت تھی کہ طالب علم ہیتھرو ائر پورٹ پر آمد کی پیشگی اطلاع کسی دوست یا عزیز کو نہ دے کیونکہ اس سے انتظامات میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ میرے کیس میں خلل اس لیے پیدا ہوا کہ طے شدہ پروگرام کے برعکس اس رات میزبان ادارے کا نمائندہ ہوائی اڈے پر

دہشت گردی سے کیسے نمٹا جائے؟

سلمان عابد

یہ ایک واقعی سنگین خطرہ اور چیلنج ہے کہ ہم مسلسل دہشت گردی کے خطرات سے دوچار ہیں۔

یہ ایک واقعی سنگین خطرہ اور چیلنج ہے کہ ہم مسلسل دہشت گردی کے خطرات سے دوچار ہیں۔ پچھلے چار دن میں بلوچستان میں ہونے والی دہشت گردی کے مختلف واقعات میں 42 جوان اور شہری شہید ہوئے ہیں جب کہ سیکیورٹی اداروں نے بھی عملاً 54 دہشت گردوں کو ہلاک کیا ہے۔ جب کہ ان دہشت گردی کے واقعات میں زخمی ہونے والے اور یرغمالی افراد کی تعداد بھی کافی بڑی تعداد میں دیکھنے کو مل رہی ہے۔ دہشت گردی کے ان واقعات میں بلوچستان اور خیبر پختونخواہ دہشت گردوں کا بڑا مرکز بنا ہوا ہے جہاں وہ ہماری بہت سی داخلی سیاسی اور انتظامی خامیوں کو بنیاد بنا کر دہشت گردی کر کے حکومت کی رٹ کو چیلنج کرتے ہیں۔

پاکستان کی سطح پر دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے داخلی اور علاقائی سطح پر مختلف سیاسی، انتظامی اور سیکیورٹی حکمت عملی اور مختلف نوعیت کے اداروں کی عملاً تشکیل بھی کی گئی ہے۔ یہ تجزیہ سیاسی اور سیکیورٹی کے سیاسی اور انتظامی ماہرین کی سطح پر کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے عملی طور پر دہشت گردی کی اس جنگ کے خاتمہ میں کتنی کامیابی حاصل کی اور کہاں آج بھی وہ چیلنجز ہیں جو ہمارے لیے بڑے مسائل یا ناکامی کو پیدا کر رہے ہیں۔

کچھ مسائل داخلی نوعیت کے ہوں گے اور کچھ مسائل علاقائی نوعیت سے جڑے ہوئے ہیں جن کا سنجیدگی سے تجزیہ درکار ہے۔ کیونکہ دہشت گردی کا علاج محض جذباتی ردعمل کی سیاست اور حکمت عملی سے ممکن نہیں۔ ہمیں دہشت گردی کو سیاسی تنہائی میں دیکھنے کی بجائے ریاست کے سیاسی، معاشی اور سیکیورٹی کے نظام کی بنیاد پر دیکھنا ہوگا۔ اگر ہم نے دہشت گردی پر قابو نہ پایا تو معاشی ترقی اور معاشی امکانات سمیت سیاسی استحکام بھی پیدا نہیں ہو سکے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں ماضی سے لے کر اب تک ہم نے دہشت گردی کی جنگ میں داخلی، علاقائی اور عالمی سطح پر ایک بھاری قیمت ادا کی۔ ماضی کی بہت سی سیاسی اور غیر سیاسی حکومتوں کے فیصلوں کی وجہ سے بھی داخلی سطح پر ہمیں دہشت گردی کے تناظر میں کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اب ماضی سے باہر نکل کر حال اور پھر مستقبل کی طرف پیش قدمی کو ممکن بنانا ہے۔ پاکستان کو داخلی سطح پر جو سیکیورٹی کے مسائل ہیں اس سے نمٹنے کو کیسے ہم اپنی بڑی قومی سیاسی اور سیکیورٹی ترجیحات بنا سکتے ہیں۔ اس پر ایک بڑی پیش رفت کی ضرورت ہے۔ یہ جنگ سیاسی تنہائی میں نہیں لڑی جا سکتی ایک طرف ہمیں انتظامی دوسری طرف سیکیورٹی اور تیسری طرف ہم کو سیاسی حکمت عملی اور چوتھی طرف ادارہ جاتی سطح پر موجود حکمت عملیوں کا جائزہ لے کر اسے نئے سرے سے ترتیب دینا ہوگا تاکہ ہم آگے بڑھ سکیں۔ کیونکہ محض طاقت کی بنیاد پر بھی یہ جنگ نہیں جیتی جا سکے گی اور نہ ہی محض سیاسی حکمت عملی کی بنیاد پر بڑا نتیجہ نکلے گا۔ اس کے لیے طاقت اور سیاسی حکمت عملی کے درمیان توازن پر مبنی پالیسی درکار ہے۔

بلوچستان میں صوبائی حکومت اور مقامی سطح کی سیاسی جماعتوں اور وہاں کی قیادت کے درمیان جو خلیج ہے وہ بھی مسائل کو پیدا کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ بلوچستان کی صوبائی حکومت کو صوبائی سیاسی قیادت اور جماعتوں کے ساتھ بیٹھ کر حکمت عملی اختیار کرنا چاہیے، صوبائی سیاسی جماعتیں بھی حکومت کے ساتھ بیٹھنے سے گریز کر رہی ہیں۔ پی ٹی آئی کی جانب سے بلوچستان کے حالات پر ہونے والی اے پی سی کے مشترکہ اعلامیہ میں بھی یہ کہا گیا ہے کہ بلوچستان کا مسئلہ سیاسی، آئینی اور قانونی یا انسانی حقوق کا مسئلہ ہے اور ان کے بقول مسئلہ کے حل کے لیے ایک ہمیں جامع ٹروتھ اینڈ ری کنسلیشن قائم کیا جائے تاکہ وہاں کوئی پائیدار حل سامنے آ سکے۔ اس کانفرنس میں بیرسٹر گوہر، سردار اختر مینگل، محمود خان اچکزئی اور سابق وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی شامل تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بلوچستان کے بہت سے مسائل کا تعلق سیاسی اور محرومی کی سیاست سے جڑا ہوا ہے۔ ان میں سیاسی اور شناخت کے سوال، معاشی محرومی اور وسائل کی تقسیم، سیکیورٹی اور انسانی حقوق، گورننس اور ترقیاتی عمل کا نہ ہونا شامل ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ بات چیت کی مدد سے ممکن ہو سکتا ہے اگر یہ طے کر لیا جائے کہ اپنے مسائل کا حل طاقت کی بجائے بات چیت کی ہی مدد سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ جن لوگوں نے بندوق اٹھائی ہوئی ہے اس کے خلاف سب سیاسی قوتوں کو مل کر ریاست کے ساتھ کھڑے ہونا ہوگا۔

ایک مسئلہ پاکستان کو بھارت اور افغانستان سے بھی درپیش ہے اور ان دونوں ممالک کا باہمی گٹھ جوڑ پاکستان کی داخلی سلامتی اور سیکیورٹی کو چیلنج کر رہا ہے۔ ان دونوں ممالک کی پاکستان کے خلاف پراکسی وار ایک بڑا خطرہ ہے اور مسلسل یقین دہانیوں کے باوجود نہ بھارت اور نہ افغانستان ہمارے تحفظات کو دور کر رہا ہے۔ بالخصوص افغانستان میں موجود طالبان حکومت کسی بھی طور پر پاکستان مخالف ٹی ٹی پی کے خلاف کوئی ایکشن لینے کے لیے تیار نہیں۔ پاکستان اور افغانستان کے تناظر میں ترکیہ، قطر، سعودی عرب اور چین میں ہونے والے پاکستان افغانستان مذاکرات کا بھی کوئی بڑا مثبت نتیجہ نہیں نکل سکا اور ایسے لگتا ہے کہ ہم افغانستان سے تعلقات کی بہتری میں دور ہوتے جا رہے ہیں جو ہماری داخلی سیکیورٹی کے لیے کوئی اچھی علامت نہیں۔ خود چین، روس، قطر، ترکیہ، سعودی عرب کو بھی پاکستان افغانستان تعلقات میں موجود خلیج یا بداعتمادی پر تشویش ہے۔ اصولی طور پر پاکستان افغانستان تعلقات کی بہتری کے لیے مذاکرات کا جو عمل تعطل کا شکار ہوا ہے اسے ہر صورت دوبارہ شروع ہونا چاہیے اور اس میں چین سمیت روس کو کلیدی کردار ادا کرنا ہوگا۔

یہ سب کچھ اس لیے بھی ضروری ہے کہ پاکستان میں دہشت گردی کا خاتمہ افغانستان سے تعلقات کی بہتری کے ساتھ ہی جڑا ہوا ہے۔ اس پر پاکستان کو سفارت کاری کے محاذ پر اپنا مقدمہ مضبوط بنیادوں پر پیش کرنا ہوگا اور باور کروانا ہوگا کہ کس طرح سے افغانستان پاکستان کو داخلی سطح پر کمزور کر رہا ہے۔

پاکستان کو یہ شکایت ہے کہ افغانستان دہشت گردوں کی آماجگاہ بن چکا ہے افغان حکومت دہشت گردوں کے خلاف کسی بھی قسم کی کارروائی کرنے سے گریز کر رہی ہے وہ یقین دہانی تو کراتی ہے کہ وہ دہشت گردوں کی حمایت نہیں کرے گی مگر جو صورت حال سامنے آتی ہے اس کے مطابق افغان حکومت اپنے قول پر عمل نہیں کر رہی۔ دہشت گرد افغانستان میں آزادانہ گھوم رہے اور پاکستان کے لیے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔

اسی طرح سے ہم نے داخلی سطح پر دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے میکنزم یا ادارے بنائے ہوئے ہیں ان کی فعالیت کو مزید موثر بنانا ہوگا اور بالخصوص پاکستان کی بڑی سیاسی جماعتوں کو بلوچستان کے حل میں اپنا کلیدی کردار ادا کرنا ہوگا۔ یہ جو حالیہ دہشت گردی کے واقعات ہمیں دیکھنے کو مل رہے ہیں یہ ریاست کی اپنی بقا کے لیے ایک بڑا چیلنج رکھتے ہیں۔ ہمیں دہشت گردی کے اس داخلی بحران سے نکلنے کے لیے خود ملک میں ایک بڑا سیاسی استحکام درکار ہے۔

موجودہ حالات میں نئی حکمت عملیوں کو کیسے ترتیب دینا ہے اور جن فرد یا یا جماعتوں کی پالیسیوں پر تحفظات ہیں ان کو کیسے کم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دہشت گردی کی یہ جنگ پاکستان کے خلاف ہے اور اس جنگ کا مقابلہ ہم سب نے مل کر کرنا ہے۔

ایسے میں ہم سب کا متفق ہونا اور جنگ کے خلاف بغیر کسی جھول کے کھڑا ہونا ہم سب کی مشترکہ ذمے داری ہے۔ لیکن اس کے لیے ایک بڑی قومی سطح پر وسیع تر مشاورت درکار ہے اور بالخصوص موجودہ حالات میں پارلیمنٹ کا ایک مشترکہ اجلاس یا تمام سیاسی جماعتوں کی مشترکہ کانفرنس کی مدد سے ایسا مشترکہ اعلامیہ اور حکمت عملی تو ترتیب دینے میں حکومت پہل کر سکتی

بھارت، اسرائیل، شیواجی اور دھریندر

وسعت اللہ خان

جیسے جیسے دونوں ممالک عالمی برادری میں الگ تھلگ نظر آ رہے ہیں ویسے ویسے یہ تنہائی انھیں مزید قریب لا رہی ہے۔

جب سات اکتوبر دو ہزار تئیس کو جنوبی اسرائیل میں حماس کے مسلح شب خون کے نتیجے میں ایک ہزار سے زائد اسرائیلی و غیر ملکی شہری ہلاک ہوئے تو نیتن یاہو کی میز پر اظہار یکجہتی کا پہلا پیغام واشنگٹن یا یورپ سے نہیں بلکہ نریندر مودی کی جانب سے آیا۔ اس دہشت گرد کارروائی سے شدید صدمہ پہنچا ہے۔ آزمائش کی اس گھڑی میں ہم آپ کے شانہ بشانہ ہیں۔ جب کہ ایک اور قریبی دوست ایران کے رہبرِ اعلیٰ علی خامنہ ای کی اسرائیلی بمباری میں شہادت کی تعزیت میں مودی حکومت کو چار دن لگے۔

مودی جی آخری غیر ملکی رہنما تھے جنھوں نے ایران پر اسرائیل اور امریکا کے اچانک حملے سے دو دن پہلے تل ابیب میں اسرائیلی پارلیمنٹ کنیسٹ میں پھادر لینڈ مدر لینڈ والا خطاب کر کے سب کے دل موہ لیے۔ بھارت میں اسرائیل کے سفیر رووِن آزر کے بقول ایک ایسی دنیا جو آفاقیت اور قوم پرستی کے مرحلے سے آگے نکل رہی ہے، مودی اور نیتن یاہو نہ صرف قوم پرستی بلکہ قومی شناخت کے داعی ہیں۔

جیسے جیسے دونوں ممالک عالمی برادری میں الگ تھلگ نظر آ رہے ہیں ویسے ویسے یہ تنہائی انھیں مزید قریب لا رہی ہے۔ نیتن یاہو جرائم کی بین الاقوامی عدالت سے وارنٹ نکلنے کے بعد نہ صرف کئی مغربی ممالک میں ناپسندیدہ قرار پائے ہیں بلکہ اب تو سب سے بڑے اتحادی امریکا کی رائے عامہ بھی کھلم کھلا بیزاری کا اظہار کر رہی ہے۔

البتہ مودی حکومت سمجھتی ہے کہ انتہا پسند اسلام کی لہر کے آگے بند باندھنے کی کوششوں میں بھارت اور اسرائیل کو پہلے سے زیادہ یکجا ہونے کی ضرورت ہے۔ اسرائیل کو بھی مغرب میں بڑھتی ہوئی بیزاری کے سبب مشرق میں ایک مضبوط اقتصادی و نظریاتی پارٹنر کی اتنی ہی ضرورت ہے۔ ان دونوں کو ایک خلیجی ساجھے دار متحدہ عرب امارات کی شکل میں میسر ہے۔ عجیب بات ہے کہ اس بڑھتی ہوئی قربت کے باوجود بھارت آج بھی کاغذی طور پر فلسطین کے دو ریاستی حل کا حامی ہے۔ وہ حل جو بقول نیتن یاہو زمین میں گہرا دفن ہو چکا ہے۔

بھارت کی کسی ایک ٹوکری میں تمام انڈے رکھ دینے والی ایسی خارجہ پالیسی کبھی بھی نہیں تھی۔ سرد جنگ کے زمانے میں بھارت نہ صرف غیر جانبدار تحریک کے صفِ اول کے علمبرداروں میں تھا بلکہ پی ایل او کا بھی کھلم کھلا حامی تھا۔ یہ پالیسی دراصل نہرو کی کلاسیکی خارجہ حکمتِ عملی کا تسلسل تھی۔

بھارت نے انیس سو سینتالیس میں فلسطین کی تقسیم کی مخالفت کی اور جب اسرائیل بن گیا تو اقوام متحدہ میں اس کے داخلے کی بھی مخالفت کی۔ انیس سو بانوے میں جا کے کہیں دونوں ممالک کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔ تب تک ہندو قوم پرستی کے رتھ نے نہرو دور کی سیکولر سوشلسٹ پالیسیوں کو کچلنا شروع کر دیا تھا۔

ایک اہم موڑ انیس سو ننانوے کی کرگل کی جنگ ثابت ہوئی۔ ایک برس پہلے ایٹمی دھماکے کرنے کے بعد امریکا اور مغربی ممالک نے بھارت کو اسلحے کی فروخت معطل کر دی۔ اس آڑے وقت میں اسرائیل نے بھارت کو ایمونیشن اور میزائل فراہم کیے۔ جب دو ہزار چودہ میں مودی حکومت برسرِ اقتدار آئی تو بھارت اسرائیل کے اس اسٹرٹیجک نظریے سے خاصا متاثر ہو چکا تھا کہ آپ کا تحفظ تب ہی ممکن ہے جب آس پاس والے عدم تحفظ کی حالت میں رہیں۔ شدت پسندی کا مسئلہ بات چیت سے نہیں بلکہ اینٹ کے جواب میں پتھر کی پالیسی سے ہی قابو میں رہ سکتا ہے۔

دو ہزار سترہ میں مودی پہلے بھارتی وزیرِ اعظم تھے جو تل ابیب پہنچے اور نیتن یاہو نے اگلے برس جوابی دورہ کیا) ایریل شیرون کے بعد نیتن یاہو بھارت کا دورہ کرنے والے دوسرے وزیرِ اعظم ہیں۔ مودی اور نیتن یاہو دو بار ایک دوسرے کے مہمان بن چکے ہیں(۔

گذشتہ دس برس میں اس شراکت داری میں برق رفتار اضافہ ہوا۔ بھارت نہ صرف اسرائیلی ہتھیاروں کا سب سے بڑا خریدار ہے بلکہ دو طرفہ ہتھیار سازی اور جدت کاری کے کئی منصوبے بھی جاری ہیں۔ ان ہتھیاروں اور ٹیکنالوجی کے استعمال کے ساتھ کوئی شرائط بھی نتھی نہیں۔ مثلاً اسرائیلی کمپنیوں رافیل اور آئی اے آئی کا براک میزائل شکن نظام کی تیاری کا لائسنس دو بھارتی کمپنیوں) بھارت ڈائنامکس اور بھارت فورج (کو بھی ملا ہوا ہے۔

گوتم اڈانی کی کمپنی اڈانی پورٹس نہ صرف اسرائیلی بندرگاہ حیفہ کا انتظام سنبھالتی ہے بلکہ حیفہ پورٹ کے ستر فیصد شیئرز کی بھی مالک ہے۔ اسرائیلی ڈرونز ہرمیس اور ہیروپ کی بھارت میں تیاری بھی اڈانی گروپ کے ہاتھ میں ہے۔ دہشت گردی کی روک تھام کے نام پر موساد اور را میں جنوبی اور مغربی ایشیا سے متعلق حساس معلومات کا آزادانہ تبادلہ ہوتا ہے۔ اسرائیلی فوجی قیادت کے بھارت کے دورے اب بکثرت ہیں۔

بہت سے ممالک میں اسرائیل کے خلاف عمومی نفرت میں اضافے کے سبب اسرائیلی سیاحوں کی ایک بڑی تعداد اب بھارت کا رخ کر رہی ہے۔ ان میں موجودہ اور سابق فوجی سیاح بھی شامل ہیں جنھیں غزہ اور مغربی کنارے میں نسل کشی سے شل اپنے دماغوں کو آرام دینے کے لیے ملک سے دور گوا یا ہمالیائی پہاڑوں میں قائم یوگا مراکز میں آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسرائیل بھارتی زرعی اور آبی ماہرین کی تربیت بھی کرتا ہے۔ اسرائیلی تعلیمی اداروں میں سیکڑوں بھارتی طلبا اور صنعت و خدمات و زراعت کے شعبوں میں ہزاروں بھارتی کارکن دیکھے جا سکتے ہیں۔ حال ہی میں شمال مشرقی بھارت میں صدیوں سے آباد بنی مناشے قبیلے کو بھی یہودی تسلیم کیے جانے کے بعد ان کی نقل مکانی شروع ہو گئی ہے۔ آر ایس ایس کا ایک کیڈر بھی اسرائیل کے مطالعاتی دورے پر جانے والا ہے تاکہ صیہونیت کے سماج و ریاست پر عملی نفاذ کے طور طریقوں سے سیکھ سکے۔

بھارتی ریاست اسرائیل کی محبت میں اس قدر گرفتار ہے کہ بعض اوقات اپنے شہریوں کو بھی خطرے میں ڈال دیتی ہے۔ مثلاً اگست دو ہزار بائیس میں قطری انٹیلی جنس نے بھارتی بحریہ کے آٹھ سابق افسروں کو قطر کے آبدوز پروگرام کی اسرائیل کے لیے جاسوسی کے الزام میں سزائے موت سنا دی۔ تاہم نریندر مودی کی ذاتی مداخلت اور قطر سے ایل این جی خریدنے کے بیس سالہ سودے کے عوض ان آٹھ مجرموں کی جاں بخشی کر دی گئی۔

اب تو ایک دوسرے کی کہانیاں بھی فلم سازی میں استعمال ہو رہی ہیں۔ مثلاً بالی وڈ کی سب سے کامیاب فلم دھریندر کی کہانی کا مرکزی خیال نیٹ فلیکس پر دستیاب مقبول اسرائیلی ٹی وی سیریز فودا سے لیا گیا ہے۔ اس میں ایک انڈر کور اسرائیلی یونٹ حماس کے ایک انتہائی مطلوب شدت پسند کے تعاقب میں بھیجا جاتا ہے۔ دھریندر کی نہ صرف اسرائیل بلکہ دلی کے اسرائیلی سفارتخانے میں

بقیہ 1

نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اسکول، اسپتال، سڑکیں، اور دیگر بنیادی سہولتوں کے منصوبے تاخیر کا شکار نہ ہوں تمام متعلقہ محکموں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ شفافیت کے ساتھ فنڈز کا استعمال یقینی بنائیں وزیر خزانہ نے واضح کیا کہ مالی بے ضابطگیوں، غیر ضروری اخراجات اور فنڈز کے ضیاع کے خلاف سخت موقف اپنایا گیا ہے خزانے پر ہر روپیہ عوام کی امانت ہے۔ بدعنوانی میں ملوث عناصر کے خلاف بلاتفریق کارروائی کی جائے گی میر شعیب نوشیروانی نے کہا کہ بلوچستان کو مالی طور پر مستحکم بنانے کے لیے مقامی وسائل کو بروئے کار لایا جارہا ہے صوبے کے اندر ٹیکس نظام کو بہتر بنانے، معدنی وسائل سے حاصل ہونے والی آمدن کو منظم کرنے اور نجی سرمایہ کاری کو فروغ دینے کے لیے نئی پالیسیز تیار کی جارہی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ صوبہ وفاق پر کم سے کم انحصار کرے اور اپنی آمدنی کے ذرائع پیدا کرے تاکہ ترقی خود انحصاری کے ساتھ ہو وزیر خزانہ نے اس موقع پر سرکاری ملازمین کے مسائل پر بھی بات کرتے ہوئے کہا کہ حکومت نے موجودہ بجٹ میں تنخواہوں اور پنشن میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے، جبکہ ریٹائرڈ ملازمین کو بروقت ادائیگی کے لیے ایک الگ فنڈ بھی قائم کیا جارہا ہے وزیر خزانہ کا کہنا تھا کہ حکومت عوام کے مسائل سے آگاہ ہے اور روزگار، تعلیم، صحت، پینے کے پانی، زراعت، اور انفراسٹرکچر کی ترقی کو بجٹ میں ترجیح دی گئی ہے ہمارا ہدف صرف کاغذی ترقی نہیں بلکہ زمینی سطح پر بہتری ہے، جسے ہر شہری محسوس کرے۔

بقیہ 2

شہری جاں بحق ہوئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق حملے کا نشانہ بننے والے تجارتی جہاز کی شناخت فوری طور پر سامنے نہیں آسکی۔ اسی طرح جہاز کے مالک یا اس پر موجود دیگر عملے کے بارے میں بھی تاحال تفصیلات جاری نہیں کی گئیں۔ یمنی حکومت سے وابستہ نشریاتی ادارے کے مطابق ہلاکتوں کی اطلاعات ابتدائی نوعیت کی ہیں اور واقعے سے متعلق مزید معلومات سامنے آنے کا انتظار ہے۔ حوثیوں کی جانب سے فوری ردعمل نہیں دیا گیا اور نہ ہی گروپ نے اس حملے کی ذمہ داری یا اس میں ہونے والے جانی نقصان کے حوالے سے کوئی تفصیلات جاری کی ہیں۔ باب المندب آبنائے بحیرہ احمر اور خلیج عدن کو ملانے والی انتہائی اہم سمندری گزرگاہ ہے۔ ایشیا، مشرق وسطیٰ اور یورپ کے درمیان تجارت اور توانائی کی ترسیل کے لئے اس راستے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس علاقے میں حالیہ برسوں کے دوران تجارتی جہازوں پر ہونے والے حملوں کے باعث عالمی شپنگ کمپنیوں کو سیکیورٹی خدشات کا سامنا رہا ہے۔ متعدد کمپنیوں نے خطرات کے پیش نظر اپنے بحری جہازوں کے راستے تبدیل کیے ہیں، جس سے سفر کا وقت اور اخراجات بھی بڑھ سکتے ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق باب المندب میں کسی بھی نئے حملے سے نہ صرف بحری جہازوں کی سلامتی کے خدشات میں اضافہ ہوسکتا ہے بلکہ عالمی تجارت اور خطے میں پہلے سے موجود کشیدگی بھی مزید متاثر ہوسکتی ہے۔ واقعے میں جاں بحق ہونے والے پاکستانی شہریوں کی شناخت، ان کے آبائی علاقوں اور جہاز کی مکمل تفصیلات کے بارے میں مزید معلومات کا انتظار ہے۔

بقیہ 3

کارروائی فورسز کی اعلیٰ پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا واضح ثبوت ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ریاستی عزم غیر متزلزل ہے اور دہشت گردی کے اس واقعے میں ہونے والے قیمتی انسانی جانوں کے ضیاع پر دلی افسوس ہے، حکومت اس مشکل گھڑی میں متاثرہ خاندانوں کے دکھ میں برابر کی شریک ہے۔ وزیراعلیٰ بلوچستان نے کہا کہ بلوچستان کے عوام امن، ترقی اور خوشحالی چاہتے ہیں، جبکہ دہشت گرد عناصر صوبے کے عوام کو ترقی کے اس سفر سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ دہشت گردوں، ان کے سہولت کاروں اور معاونت کاروں کے خلاف بلاامتیاز کارروائیاں جاری رہیں گی کیونکہ ریاست دہشت گردی کے سامنے کسی صورت نہیں جھکے گی اور عوام کے جان و مال کے تحفظ پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔ سرفراز بگٹی نے مزید کہا کہ بلوچستان میں امن کے دشمنوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اور ریاست اپنی رٹ ہر صورت برقرار رکھے گی۔ سیکیورٹی فورسز اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی قربانیاں پوری قوم کے لیے باعث فخر ہیں اور صوبے سے دہشت گردی کا مکمل خاتمہ ہمارا حتمی عزم ہے۔

بقیہ 4

حملے بے گناہ انسانی جانوں اور بحری سلامتی کے لیے سنگین خطرہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان سعودی حکام اور یمن کی تسلیم شدہ حکومت سے رابطے میں ہے، واقعے کی مزید تفصیلات اور حالات جاننے کے لیے متعلقہ حکام سے رابطہ جاری ہے۔ اسحاق ڈار نے کہا کہ تجارتی جہاز پر حملہ معصوم انسانی جانوں کو خطرے میں ڈالتا ہے، حملہ بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہے، حملے سے جہاز رانی کی آزادی اور سمندری سلامتی کو سنگین خطرہ ہے۔ وزیر خارجہ نے کہا کہ پاکستان سعودی حکام اور یمن کی تسلیم شدہ حکومت سے رابطے میں ہے، واقعے کی مزید تفصیلات اور حالات جاننے کے لیے متعلقہ حکام سے رابطہ جاری ہے۔ نائب وزیراعظم اسحاق ڈار نے ریاض میں پاکستانی سفارت خانے کو فوری رابطہ کاری کی ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستانی سفارت خانہ جاں بحق پاکستانیوں کی میتوں کی واپسی کے لیے ضروری اقدامات کرے۔ انہوں نے کہا کہ بحیرہ احمر میں پیش آنے والے واقعے کی صورت حال کا قریب سے جائزہ لے رہے ہیں، متعلقہ حکام سے مسلسل قریبی رابطہ برقرار رکھا جائے گا، پاکستان جاں بحق پاکستانی شہریوں کے اہلخانہ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ دوسری جانب ترجمان دفتر خارجہ نے کہا کہ باب المندب میں تجارتی جہاز پر حملہ افسوسناک ہے، حملے سے بحیرہ احمر میں تجارتی جہاز رانی کے لیے خطرات میں اضافہ ہوا ہے، حکومت پاکستان صورت حال پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ ترجمان نے کہا کہ ہم بین الاقوامی پانیوں میں آزادانہ جہاز رانی کی حمایت کرتے ہیں، پاکستان سعودی قیادت میں بحری سلامتی کے حوالے سے قائم اتحاد کا حصہ ہے، پاکستان بین الاقوامی پانیوں میں محفوظ جہاز رانی کو یقینی بنانے کے لیے ذمے داریاں ادا کرنے کو تیار ہے۔ واضح رہے کہ گزشتہ روز یمنی حکومت اور کوسٹ گارڈ ذرائع نے بتایا تھا کہ بحیرہ احمر میں باب المندب کے مقام پر حوثیوں نے کارگو جہاز پر حملہ کیا ہے، حملے میں کارگو جہاز کے ڈیک کو نشانہ بنایا گیا جس میں عملے کے 3 ارکان ہلاک ہوگئے۔

بقیہ 5

واپس لانے کے لئے مشترکہ تجویز پیش کی، ایرانی وزیر داخلہ کی حالیہ اسلام آباد آمد پاکستان کی ثالثی پر تہران کے اعتماد کا مظہر ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ پاکستانی وزیر خارجہ کی جانب سے ایرانی ہم منصب کو اسلام آباد کے دورے کی دعوت دینا امن عمل جاری رکھنے کا واضح عزم ہے، پاکستان دونوں فریقوں کے لیے قابل اعتماد ثالث کی حیثیت سے امریکا ایران رابطے میں اہم کردار ادا کررہا ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ واشنگٹن سے دفاعی روابط، تہران سے تاریخی تعلقات اور بیجنگ سے قربت پاکستان کو منفرد سفارتی حیثیت دیتے ہیں، امریکا اور ایران دونوں کے ساتھ پاکستان کے روابط اسے تنازع کے حل کیلئے منفرد ثالث بناتے ہیں۔ سٹمسن سنٹر نے اپنی تجزیاتی رپورٹ میں واضح کیا کہ پاکستان کی سفارتی طاقت محض ردعمل تک محدود نہیں۔

بقیہ 6

یوکرین تنازع کو سفارتی ذرائع سے حل کرنے کے لیے اقدامات کریں۔ سلامتی کونسل کے 15 رکنی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اقوام متحدہ میں پاکستان کے مشن کے قونصلر کامران تاج نے کہا کہ تمام فریقین کو بین الاقوامی انسانی قانون کے تحت اپنی متعلقہ ذمہ داریوں کی پابندی کرنی چاہیے۔ آریا فارمولا اجلاس ایک غیر رسمی طریقہ کار ہے جس کے تحت سلامتی کونسل کے ارکان اہم عالمی امور پر کھل کر تبادلہ خیال کرتے ہیں، یوکرین سے متعلق اجلاس کا انعقاد لٹویا، یوکرین اور برطانیہ نے کیا، جس میں جنگی قیدیوں، زیر حراست شہریوں اور غیر ملکی جنگجوؤں سے متعلق امور پر غور کیا گیا۔ پاکستانی مشن کے قونصلر نے بین الاقوامی قانون کے تحت جنگی قیدیوں کو حاصل تحفظات کو اجاگر کرتے ہوئے ان کے ساتھ کسی بھی قسم کے ناروا سلوک کی مذمت کی، انہوں نے کہا کہ فریقین کے درمیان متحدہ عرب امارات، قطر اور ترکیہ کی معاونت سے جنگی قیدیوں کا باقاعدہ تبادلہ درست سمت میں ایک قدم ہے۔ کامران تاج نے تنازع میں غیر ملکی جنگجوؤں کی شمولیت پر بھی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس عمل کے خاتمے پر زور دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ غیر ملکی جنگجوؤں کا مسئلہ عالمی برادری کے لیے طویل عرصے سے باعث تشویش ہے اور حالیہ عرصے میں اس رجحان میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان ہمیشہ تنازعات کے پرامن حل کے لیے مکالمے اور سفارت کاری کو بنیادی اہمیت دینے کے اپنے غیر متزلزل موقف پر قائم رہا ہے اور اس مقصد کے لیے تمام سفارتی کوششوں کی حمایت جاری رکھے گا۔ کامران تاج نے روس، یوکرین تنازع کو جلد ختم کرنے اور اقوام متحدہ کے منشور، بین الاقوامی قانون اور متعلقہ کثیر الجہتی معاہدوں کے مطابق ہم آہنگ منصفانہ اور پائیدار تصفیے کی ضرورت پر زور دیا، ایسا حل جو تمام فریقین کے جائز سلامتی کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے قابل قبول ہو۔

بقیہ 7

کے درمیان حالیہ مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے کے بارے میں بریف بھی کیا۔ واضح رہے کہ گزشتہ روز تہران میں محسن نقوی اور ایرانی صدر مسعود پزشکیان کے درمیان ملاقات ہوئی تھی۔ ایران کے صدر نے گزشتہ روز وفاقی وزیر داخلہ محسن نقوی سے تہران میں ملاقات کے بعد اپنے بیان میں کہا تھا کہ تہران تیار ہے کہ وہ اسلام آباد کے ساتھ سیاسی، اقتصادی، تجارتی، ثقافتی اور سیکیورٹی فیلڈز میں تعلقات گہرے کرے۔ ڈاکٹر پزشکیان نے کہا کہ ایران نے تعلقات بڑھانے اور انہیں مضبوط کرنے سے متعلق وزیراعظم شہباز شریف اور دیگر پاکستانی حکام کی محبت اور دلچسپی ایران کیلئے انتہائی قابل قدر ہے۔

بقیہ 8

کے باعث اشیائے ضروریہ کی قیمتیں من مانی حد تک پہنچ گئی ہیں۔ سبزی، پھل، گوشت، دودھ، آٹا، چینی اور دیگر روزمرہ استعمال کی اشیاء کے نرخ آئے روز تبدیل ہونے سے عوام شدید مالی دباؤ کا شکار ہیں۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ بازاروں میں سرکاری نرخنامے پر عملدرآمد نہ ہونے کے برابر ہے، بیشتر دکاندار اپنی مرضی کے نرخ مقرر کرکے اشیاء فروخت کررہے ہیں، جبکہ قیمتوں میں اضافے پر کوئی موثر نگرانی دکھائی نہیں دیتی۔ شہریوں کے مطابق محدود آمدن میں گھر کا بجٹ چلانا انتہائی مشکل ہو چکا ہے، تنخواہیں وہی ہیں مگر روزمرہ اخراجات میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ عوامی حلقوں نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ضلعی انتظامیہ کی جانب سے وقتاً فوقتاً گرانفروشوں کے خلاف کارروائیوں کے دعوے کیے جاتے ہیں، تاہم بازاروں میں صورتحال بدستور جوں کی توں ہے۔ شہریوں کا کہنا تھا کہ اگر سرکاری نرخنامے پر سختی سے عملدرآمد کرایا جائے اور گرانفروشوں کے خلاف بلاامتیاز کارروائی کی جائے تو عوام کو ریلیف فراہم کیا جاسکتا ہے۔ شہریوں نے حکومت بلوچستان اور ضلعی انتظامیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ کوئٹہ کے تمام بازاروں اور علاقوں میں روزانہ کی بنیاد پر قیمتوں کی نگرانی یقینی بنائی جائے، سرکاری نرخنامے نمایاں مقامات پر آویزاں کرائے جائیں اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے گرانفروشوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ عوام نے مزید مطالبہ کیا کہ ہر علاقے میں پرائس کنٹرول کمیٹیوں کو فعال بنایا جائے، مصنوعی مہنگائی اور ذخیرہ اندوزی کا سدباب کیا جائے اور عوام کو اشیائے ضروریہ کی مناسب نرخوں پر فراہمی یقینی بنانے کے لیے مؤثر اور مستقل نظام وضع کیا جائے۔

بقیہ 9

حال رہا، پاکستان نے مکہ معاہدے کے لیے اہم ترین کردار ادا کیا، مکہ معاہدہ تینوں ممالک کے برادرانہ تعلقات میں اہم پیشرفت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ مکہ معاہدہ خالصتاً دفاعی نوعیت کا ہے، معاہدہ علاقائی امن و استحکام کے لیے تینوں ممالک کے عزم کا عکاس ہے، مکہ معاہدہ پر خطے اور اس سے باہر اجتماعی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے کوششیں جاری رکھی جائیں گی، مکہ معاہدہ امن و سلامتی کے حوالے سے محض 3 ممالک تک محدود نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ مکہ معاہدہ دفاعی نوعیت کا ہے جس کا مقصد امن و سلامتی ہے، مکہ معاہدہ بڑا واضح ہے کہ ایک ملک پر حملہ سب پر حملہ تصور ہوگا۔ ترجمان دفتر خارجہ نے کہا کہ پاکستان خطے میں امن کے حوالے سے پرامید ہے اور مشرق وسطیٰ میں جاری تنازع کے حل کے لیے پرخلوص کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے، کشیدگی اور تناؤ میں اضافے کے بعد فریقین نے بات چیت بھی کی ہے۔ طاہر حسن اندرابی نے کہا کہ اسلام آباد ایم او یو کے حوالے سے پاکستان کی پوزیشن واضح ہے، ہم پاکستان سے متعلق مثبت بیان پر ایرانی صدر کے مشکور ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم امریکا سعودی عرب سول جوہری ڈیل کو دیکھ رہے ہیں، سعودی عرب کے سول جوہری توانائی کے حق کا احترام اور حمایت کرتے ہیں، اس حوالے سے تفصیلی بیان ڈیل کی مکمل تفصیل سامنے آنے کے بعد جاری کریں گے۔

بقیہ 10

پاکستان گڈز ٹرانسپورٹ اتحاد ملک شہزاد اعوان نے اپنے بیان میں واضح کہا ہے کہ ہماری ہڑتال پرامن ہے اور اپنے جائز مطالبات کے لیے ہے، مطالبات کی منظوری تک غیر معینہ مدت تک ہڑتال جاری رہے گی۔ ملک شہزاد اعوان نے بتایا کہ گزشتہ روز وزیراعظم کی جانب سے بنائی گئی وفاقی وزیر مواصلات کی سربراہی کمیٹی کے ساتھ ہونے والے ہمارے مذاکرات ناکام ہوگئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت اگر یہ سمجھتی ہے کہ دسمبر کی طرح ہم ہڑتال ختم کردیں گے تو ایسا نہیں ہوگا، مطالبات کی مکمل منظوری تحریری طور پر ہوگی تو ہی ہڑتال ختم کرنے کا اعلان کیا جائے گا۔ ملک شہزاد اعوان نے کہا کہ وفاق اور سندھ حکومت ہمارے مسائل حل کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے، ہڑتال کو 5 واں دن ہے جس کی وجہ سے اربوں روپے کا نقصان ہورہا ہے لیکن حکومت جائز مطالبات ماننے کے لیے سنجیدہ نہیں ہے۔ صدر آل پاکستان گڈز ٹرانسپورٹ اتحاد نے واضح کیا کہ مطالبات کی منظوری کے لیے اگر 6 ماہ بھی لگے تو ہڑتال جاری رکھیں گے۔ یاد رہے کہ مذاکرات کے پہلے دور کے دوران وفاقی وزیر مواصلات عبدالعلیم خان نے ٹرانسپورٹرز کے مطالبات کو جائز قرار دیتے ہوئے ان پر پیش رفت کی یقین دہانی کروائی تھی۔ گزشتہ روز صدر، آل پاکستان گڈز ٹرانسپورٹ اونرز ایسوسی ایشن محمد اویس چوہدری ایڈووکیٹ نے بھی کہا تھا کہ ہمارے مطالبات جائز، قانونی اور ٹرانسپورٹ کے شعبے کے بنیادی مسائل سے متعلق ہیں، جب تک ہمارے مطالبات تسلیم نہیں کیے جاتے، ملک بھر میں جاری پہیہ جام ہڑتال ختم نہیں کی جائے گی۔ محمد اویس چوہدری ایڈووکیٹ کا کہنا تھا کہ ہمیں ہڑتال ختم کرنے کی کوئی جلدی نہیں، ہڑتالیں روز روز نہیں ہوتیں، ہماری پوری کوشش ہے کہ اس موقع پر ٹرانسپورٹرز کے تمام مطالبات تسلیم کروائے جائیں اور مسائل کا مستقل حل حاصل کیا جائے۔ انہوں نے واضح کیا کہ صرف مطالبات تسلیم کرنے کی زبانی یقین دہانی پر ہڑتال ختم نہیں کی جائے گی، ماضی میں بھی حکومتی وزراء ٹرانسپورٹرز کو یقین دہانیاں کرواتے رہے ہیں لیکن بعد میں ان وعدوں پر عمل درآمد نہیں کیا گیا اس لیے اب ہم کسی وعدے، یقین دہانی یا جھانسے میں نہیں آئیں گے۔ محمد اویس چوہدری ایڈووکیٹ نے کہا کہ حکومت اگر واقعی ٹرانسپورٹرز کے مسائل حل کرنا چاہتی ہے تو مذاکرات کے ساتھ ساتھ فیصلوں پر عملی عمل درآمد بھی یقینی بنائے، جب تک حکومتی وزراء ہمارے مطالبات کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ گراؤنڈ پر ان کی عمل داری یقینی نہیں بناتے، ہماری ہڑتال جاری رہے گی۔ ان کا کہنا تھا کہ ٹرانسپورٹرز مذاکرات کے دروازے بند نہیں کررہے بلکہ حکومت کے ساتھ سنجیدہ، بامقصد اور نتیجہ خیز مذاکرات چاہتے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ مذاکرات کے ذریعے تمام مسائل کا مستقل حل نکالا جائے۔ صدر، آل پاکستان گڈز ٹرانسپورٹ اونرز ایسوسی ایشن کا کہنا تھا کہ ہم مذاکرات کے لیے پوری سنجیدگی کے ساتھ بیٹھ رہے ہیں، لیکن اپنے جائز اور قانونی مطالبات سے کسی صورت دستبردار نہیں ہوں گے۔ ہمارا مقصد صرف ہڑتال کرنا نہیں بلکہ اپنے مسائل کا مستقل اور عملی حل حاصل کرنا ہے۔ واضح رہے کہ ملک بھر میں گڈز ٹرانسپورٹرز کی پہیہ جام ہڑتال جاری ہے، موٹروے ٹول پلازہ صوابی پر ٹرانسپورٹروں نے احتجاجی کیمپ لگا کر سیکڑوں بڑی گاڑیوں کو روک رکھا ہے۔ مظاہرین نے ٹول ٹیکسوں اور تیل کی قیمتوں میں کمی کا مطالبہ کردیا۔ پشاور سمیت صوبہ بھر میں گڈز ٹرانسپورٹ ایسوسی ایشن کی جانب سے میکسز، گاڑیوں کی غیر قانونی حراست اور زائد ٹول ٹیکسز کے خلاف غیر معینہ مدت تک احتجاج جاری ہے۔ پہیہ جام ہڑتال کے باعث صوبے بھر میں سپلائی چین شدید متاثر ہے۔ ہڑتال کے نتیجے میں اہم شاہراہوں پر تمام اقسام کی مال بردار گاڑیوں کی آمدورفت مکمل طور پر معطل ہوگئی ہے، گڈز ٹرانسپورٹ کے ہڑتال کے باعث فیکٹریوں اور صوبے کے بڑے تجارتی مراکز تک خام مال اور اشیائے ضروریہ کی ترسیل رک گئی ہے۔

بقیہ 11

ہیں، پاکستان ہی اپنی سفارتی صلاحیت کی بدولت ایران اور امریکا کو دوبارہ قریب لانے میں مدد کرسکتا ہے۔ ساؤتھ ایشین وائسز نے کہا کہ امریکا سے فوجی و سٹرٹیجک شراکت داری اور ایران سے تاریخی روابط کی بدولت پاکستان کو منفرد سفارتی مقام حاصل ہے، پاک فوج کے سربراہ فیلڈ مارشل سید عاصم منیر کا آغاز سے ہی ایران اور امریکا جنگ بندی میں ثالثی کی قیادت کررہے ہیں۔ عالمی جریدہ کے مطابق پاکستان اور قطر جولائی میں ایران اور امریکا کو جنگ بندی اور آبنائے ہرمز کو کھولنے کیلئے مشترکہ تجارتی پیشکش کرچکے ہیں، ایران کو معاشی دباؤ اور پابندیوں کا سامنا ہے، جبکہ امریکا بھی طویل جنگی اخراجات اور محدود فوجی وسائل کے شدید دباؤ میں ہے۔ ساؤتھ ایشین وائسز کے مطابق امریکا، ایران، سعودی عرب اور چین کیساتھ بیک وقت بہترین تعلقات نے پاکستان کو قابل اعتماد ثالث بنایا، حالیہ سعودی عرب، پاکستان اور ترکی کے درمیان مشترکہ دفاعی معاہدہ نے بھی خطہ میں پاکستان کے سٹرٹیجک کردار کو مزید ابھار دیا، پاکستان ماضی میں بھی امریکا اور چین میں سفارتی روابط اور ایران عراق جنگ میں اہم سفارتی کردار ادا کرچکا ہے۔ امریکہ، ایران جنگ سمیت تاریخ کے اہم تنازعات میں بطور ثالث پاکستان کے کردار کی تعریف نے ملک کے وقار کو مزید بلند کردیا۔

بقیہ 12

کیا۔ سرکیمپ کے نوجوان فنکاروں کی جانب سے وزیراعلیٰ پنجاب مریم نواز شریف کا تیار کردہ پورٹریٹ بھی نمائش میں پیش کیا گیا جس نے خصوصی توجہ حاصل کی، اس موقع پر عظمیٰ بخاری نے کہا کہ مریم نواز شریف کا پورٹریٹ نوجوان آرٹسٹوں کی فنی مہارت اور تخلیقی صلاحیتوں کا عکاس ہے۔ عظمیٰ بخاری نے نوجوان فنکاروں کے کام کو سراہتے ہوئے کہا کہ مختلف میڈیمز میں پیش کیا گیا کام انتہائی متاثر کن ہے، نوجوان آرٹسٹوں کی تخلیقی صلاحیتیں اور فنکارانہ وژن قابل تحسین ہیں، ان کا کام دیکھ کر یقین ہے کہ یہی نوجوان مستقبل کے ستار آرٹسٹ بنیں گے۔ وزیر اطلاعات و ثقافت پنجاب نے کہا کہ الحمرا نئی نسل کو اپنی تخلیقی صلاحیتیں اجاگر کرنے کے لیے ٹھوس مواقع فراہم کررہا ہے، وزیراعلیٰ مریم نواز شریف کے وژن کے تحت حکومت پنجاب فنون و ثقافت کے فروغ کے لیے مؤثر اقدامات کررہی ہے جبکہ نوجوان نسل کو فنون، ثقافت اور اپنی اقدار سے جوڑنا حکومت کی اہم ترجیحات میں شامل ہے۔ اس موقع پر سیکرٹری اطلاعات و ثقافت سید طاہر رضا ہمدانی اور ایگزیکٹو ڈائریکٹر الحمرا محمد نواز گوندل بھی موجود تھے۔ عظمیٰ بخاری نے نوجوان آرٹسٹوں سے ملاقات کی، ان کے فن پارے دیکھے اور ان کے کام میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ عظمیٰ بخاری نے سرکیمپ کے کلاس ٹیچرز ذیشان خالد اور فاطمہ خان سے بھی ملاقات کی اور ان کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے شاباش دی، بعد ازاں انہوں نے سرکیمپ کے شرکاء میں اسناد تقسیم کیں اور نوجوان فنکاروں کی حوصلہ افزائی کی۔

بقیہ 13

کو ترجیحات کے تعین، پیش رفت کے جائزے اور تعاون کو اسٹریٹجک سمت دینے کا موثر پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے بدھ کو پاکستان بیلاروس مشترکہ وزارتی کمیشن کے اجلاس سے خطاب میں کیا۔ وفاقی وزیر تجارت جام کمال خان نے کہا کہ پاکستان اور بیلاروس کے تعلقات باہمی اعتماد، احترام، مساوات اور مشترکہ خوشحالی کے عزم پر قائم ہیں، عالمی اقتصادی منظرنامے میں تیزی سے تبدیلی آرہی ہے، دوطرفہ شراکت داری کو عملی اور نتیجہ خیز تعاون میں بدلنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ تعاون کے حقیقی فوائد کاروباری برادری، ہنرمند افراد اور دونوں ممالک کے عوام تک پہنچنے چاہئیں، یہ ایم سی اجلاس میں ہونے والی بات چیت پائیدار اور مستقبل پر مبنی پاکستان بیلاروس شراکت داری کی جانب اہم پیش رفت ہے۔ وفاقی وزیر تجارت نے کہا کہ مستقل رابطے اور پیش رفت کے لیے مشترکہ ورکنگ گروپ اہم کردار ادا کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ لیبر اور انسانی وسائل کا شعبہ پاکستان بیلاروس تعاون کا اہم حصہ بن چکا ہے، ہنرمند افرادی قوت کی نقل و حرکت بڑھانے کے لیے دونوں ممالک کے درمیان تعاون کو مزید وسعت دی جائے گی۔ جام کمال خان نے کہا کہ زراعت اور فوڈ سیکیورٹی پاکستان بیلاروس تعاون کے اہم ستون ہیں، زرعی ٹیکنالوجی، بیج، پیداوار میں بہتری اور فوڈ سیکیورٹی کے شعبوں میں تعاون کے وسیع امکانات موجود ہیں، ٹرانسپورٹ اور انفراسٹرکچر کے شعبوں میں تعاون سے دوطرفہ تجارت اور پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہوگا۔ وفاقی وزیر تجارت نے کہا کہ جے ایم سی کے نتائج خیرسگالی کو عملی اقتصادی تعاون میں تبدیل کرنے کے مشترکہ عزم کی عکاسی کرتے ہیں، پاکستان اور بیلاروس باہمی اعتماد اور تعمیری جذبے کے ساتھ دوطرفہ تعلقات کو مزید مضبوط بنائیں گے۔ تقریب سے خطاب میں بیلاروس کے وزیر توانائی ڈینس مورزو نے کہا کہ 9 ویں پاکستان بیلاروس مشترکہ وزارتی کمیشن کے اجلاس سے خطاب میں کہا کہ آج کا مشترکہ وزارتی کمیشن دونوں ممالک کے اعلیٰ سطحی روابط کو مزید آگے بڑھانے کے لیے اہم بنیاد فراہم کریگا، پاکستان اور بیلاروس کی قیادت کے درمیان روابط انتہائی دوستانہ اور اعلیٰ سطح پر قائم ہیں۔ بیلاروسی وزیر توانائی نے کہا کہ دونوں ممالک کے درمیان اعلیٰ سطحی دوروں نے دوطرفہ تعلقات کو مزید مضبوط کیا ہے۔ وزیر ڈینس مارزو نے کہا کہ پاکستان بیلاروس مشترکہ وزارتی کمیشن دوطرفہ تعاون کو آگے بڑھانے کا مرکزی اور مؤثر پلیٹ فارم ہے، مشترکہ وزارتی کمیشن کے ذریعے مختلف شعبوں میں رابطے، پیش رفت اور عملی تعاون کو مسلسل فروغ مل رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ زراعت، صحت، تعلیم اور دیگر شعبوں میں ماہرین کی سطح پر باقاعدہ ورکنگ گروپس اور اجلاس اہم نتائج دے رہے ہیں، ماہرین کی سطح پر مسلسل اور ہدف پر مبنی روابط سے مختلف شعبوں میں ٹھوس نتائج حاصل ہوئے ہیں۔ لیبر اور افرادی قوت کے شعبے میں ہونے والی پیش رفت دونوں ممالک کی منظم اور مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے۔ بیلاروسی وزیر توانائی نے کہا کہ زراعت کے شعبے میں مشترکہ تعاون سے بھی مثبت اور عملی نتائج حاصل ہونے کی توقع ہے، پاکستان اور بیلاروس کے درمیان مختلف شعبوں میں تعاون کے ابھی وسیع امکانات موجود ہیں، دونوں ممالک مشترکہ کوششوں کے ذریعے دوطرفہ تعاون میں مزید نمایاں پیشرفت حاصل کرسکیں گے۔

بقیہ 14

علامہ اقبال آڈیٹوریم کا افتتاح کیا۔ جناح آئی ٹی ہب کے قیام کا مقصد نوجوانوں کو جدید ڈیجیٹل تعلیم، پیشہ ورانہ مہارتوں اور ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ کرکے انہیں روزگار کے نئے مواقع فراہم کرنا ہے۔ آئی ٹی ہب میں 50 جدید کمپیوٹرز پر مشتمل آئی ٹی ہال، ڈیجیٹل لائبریری، آزاد پیشہ ور افراد کے لیے مرکز، تیز رفتار انٹرنیٹ، برقی تجارت اور آزاد پیشہ ورانہ کام کی سہولیات فراہم کی گئی ہیں، جبکہ بجلی کی بلاتعطل فراہمی کے لیے شمسی توانائی کا نظام بھی نصب کیا گیا ہے۔ کور کمانڈر بلوچستان راحت نسیم احمد خان نے یونیورسٹی آف تربت میں سرسید احمد خان لاج اور علامہ اقبال آڈیٹوریم کا بھی افتتاح کیا۔ سرسید احمد خان لاج میں طلبہ و طالبات کے لیے علیحدہ تفریحی اور کیفے ٹیریا کی سہولیات فراہم کی گئی ہیں، جبکہ مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔ یونیورسٹی میں 120 نشستوں پر مشتمل علامہ اقبال آڈیٹوریم کی تزئین و آرائش کے ساتھ جدید فرنیچر اور صوتی نظام بھی فراہم کیا گیا ہے۔ اس موقع پر کور کمانڈر بلوچستان راحت نسیم احمد خان نے نوجوانوں پر زور دیا کہ وہ جدید تعلیم اور ڈیجیٹل مہارتوں کے حصول پر خصوصی توجہ دیں۔ انہوں نے کہا کہ بدلتے ہوئے دور کے تقاضوں کے مطابق جدید ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ رہنا ناگزیر ہے۔ انہوں نے کہا کہ سیکیورٹی ایک اجتماعی ذمہ داری ہے، جبکہ سیکیورٹی فورسز کا مقصد علاقے میں پائیدار امن، عوامی خواہشات کے مطابق ترقیاتی منصوبوں پر عملدرآمد اور بہتر عوامی خدمات کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔ دورے کے دوران کور کمانڈر بلوچستان راحت نسیم احمد خان نے یونیورسٹی آف تربت اور ویمن اسکل ڈویلپمنٹ سینٹر پنجگور میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے طلبہ و طالبات میں لیپ ٹاپس بھی تقسیم کیے۔

بقیہ 15

شروع ہوئی جس کے بعد ای ایف سی ترلائی میں ڈومیسائل، برتھ اور ڈیتھ سرٹیفکیٹس کی سہولت دستیاب ہے، میرج سرٹیفکیٹ اور طلاق رجسٹریشن کی سہولت بھی ای ایف سی ترلائی میں فراہم کر دی گئی، شہری ای ایف سی ترلائی سے فرد، انٹرنیشنل ڈرائیونگ پرمٹ اور دستاویزات کی تصدیق کی سہولت بھی حاصل کرسکیں گے۔ حکام کے مطابق ای ایف سی ترلائی کے پائلٹ مرحلے کے دوران شہریوں کی بڑی تعداد نے مختلف خدمات حاصل کیں، 29 جولائی سے 11 اگست تک ای ایف سی ترلائی میں 106 ڈومیسائل کے کیسز پراسیس ہوئے، پائلٹ مرحلے کے دوران 95 برتھ سرٹیفکیٹس اور 47 میرج سرٹیفکیٹس جاری ہوئے، ای ایف سی ترلائی میں پائلٹ مرحلے کے دوران فرد کے 31 کیسز نمٹائے گئے۔ حکام کے مطابق 29 جولائی سے 11 اگست کے دوران 15 ڈیتھ سرٹیفکیٹس بھی جاری کیے گئے، بیشتر آف دی آرٹ بلڈنگ میں تمام سہولیات کی ریئل ٹائم مانیٹرنگ بھی جاری، اپنے ایریا میں تمام سرکاری سہولیات کی فراہمی پر شہریوں نے اظہار تشکر کیا۔ ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ ای ایف سی ترلائی کے ذریعے شہریوں کو اہم سرکاری خدمات ایک ہی چھت تلے فراہم کی جارہی ہیں۔ ڈپٹی کمشنر عرفان نے کہا کہ ای ایف سی ترلائی کے مکمل فعال ہونے سے شہریوں کو سرکاری خدمات کے حصول میں مزید سہولت میسر آئے گی۔

بقیہ 16

مایوسی کی لہر تیزی سے پھیل رہی ہے شہریوں نے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ کئی سالوں پہلے ماسٹرز مکمل کیا، تب سے اب تک سینکڑوں درخواستیں دے چکا ہوں، لیکن کہیں سے جواب نہیں ملا، سرکاری نوکری ہے، نہ نجی کمپنیوں کی گنجائش ہے بلوچستان میں بے روزگاری کا مسئلہ صرف تعلیم یافتہ نوجوانوں تک محدود نہیں، ہنر مند، نیم ہنر مند اور میٹرک، انٹرلیول کے نوجوان بھی روزگار سے محروم ہیں، نہ متعلق روزگار ہے، نہ تکنیکی ادارے ہے جو نوجوانوں کو مارکیٹ کے مطابق تیار کریں۔ سماجی کارکنوں کا کہنا ہے کہ بے روزگاری کے باعث نوجوان منشیات، جرائم، اور انتہاپسندی جیسے منفی راستوں کی طرف راغب ہورہے ہیں۔ اگر بروقت حکمت عملی نہ اپنائی گئی تو یہ صورتحال آنے والے وقتوں میں امن و امان کے لیے خطرہ بن سکتی ہے اگرچہ حکومت بلوچستان وقتاً فوقتاً "نوجوانوں کو بااختیار بنانے" کے اعلانات کرتی رہی ہے، مگر زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں، نہ مستقل روزگار پالیسی ہے، نہ تعلیمی اداروں اور مارکیٹ کے درمیان کوئی ربط، ٹیکنیکل اداروں کی کمی، ناقص تربیت، اور سرمایہ کاری نہ ہونے کے باعث نجی شعبہ بھی نوجوانوں کو روزگار دینے سے قاصر ہے ماہرین تعلیم نے کہا کہ بلوچستان کا نوجوان بیدار اور باصلاحیت ہے، لیکن اسے مواقع، رہنمائی اور پلیٹ فارم کی اشد ضرورت ہے، جب ریاست روزگار نہ دے، تو یہ مایوسی معاشرے کے لیے زہر بن جاتی ہے انہوں نے تجاویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ نوجوانوں کے لیے مستقل روزگار پالیسی بنائی جائے ٹیکنیکل اور ووکیشنل اداروں میں عملی تربیت دی جائے صنعتی زونز اور چھوٹے کاروباری منصوبوں کے لیے سبسڈی دی جائے اسٹارٹ اپس، فری لانسنگ اور آئی ٹی سیکٹر کو فروغ دیا جائے، سرکاری ملازمتوں میں شفاف اور بروقت بھرتیاں کی جائیں انہوں نے کہا کہ نوجوان بلوچستان کا سرمایہ ہیں اگر انہیں نظر انداز کیا گیا تو یہ معاشی، سماجی اور سیاسی بحران میں تبدیل ہوسکتا ہے حکومت کو چاہیے کہ بے روزگاری جیسے حساس مسئلے کو ترجیح دے اور ٹھوس اقدامات کرے، نہ کہ صرف بیانات پر اکتفا کرے۔

بقیہ 17

گیا۔ ملاقات کے دوران دونوں جانب سے پاکستان اور بیلاروس کے کاروباری اداروں اور متعلقہ اسٹیک ہولڈرز کی دونوں ممالک میں منعقد ہونے والی فوڈ نمائشوں اور زرعی تجارتی میلوں میں زیادہ سے زیادہ شرکت کی حوصلہ افزائی پر اتفاق کیا گیا۔ اس اقدام سے کاروباری اداروں کو اپنی مصنوعات متعارف کرانے، شراکت داریوں کے قیام اور دوطرفہ زرعی تجارت کے فروغ کے مزید مواقع میسر آئیں گے۔ دونوں جانب سے سمندری خوراک، ترش پھلوں، آم، فروٹ پیوری، سبزیوں بالخصوص آلو، بیجوں اور ڈیری مصنوعات کے شعبوں میں آن لائن بزنس ٹو بزنس سیشنز کے انعقاد میں سہولت فراہم کرنے پر بھی اتفاق کیا گیا۔ ان سیشنز سے دونوں ممالک کے کاروباری اداروں کو ایک دوسرے سے منسلک کرنے، دوطرفہ تجارت کے فروغ اور تجارتی روابط کو مزید مضبوط بنانے میں مدد ملے گی۔ دونوں ممالک نے زرعی شعبے سے متعلق تجارتی اور کاروباری وفود کے باہمی دوروں میں سہولت فراہم کرنے پر اتفاق کیا تاکہ شراکت داری، سرمایہ کاری کے مواقع اور مہارتوں کے تبادلے کو فروغ دیا جاسکے۔ ان دوروں سے کاروباری اداروں اور سرمایہ کاروں کو باہمی دلچسپی کے شعبوں کی نشاندہی اور طویل مدتی تجارتی شراکت داریوں کے قیام کا موقع ملے گا۔ ملاقات میں فارمنگ کے شعبے میں تعاون کے امکانات کا بھی جائزہ لیا گیا، جبکہ دونوں جانب سے علم، ٹیکنالوجی اور بہترین طریقہ کار کے تبادلے کو فروغ دینے پر اتفاق کیا گیا۔ اس اقدام سے جدید آبی زراعت کے طریقہ کار کو فروغ دینے اور فشریز کے شعبے میں تعاون کے نئے مواقع پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ دونوں جانب سے بیجوں کی تجارت میں تعاون بڑھانے کا خیر مقدم کیا گیا اور بیجوں کی باہمی برآمد میں سہولت فراہم کرنے پر اتفاق کیا گیا۔ اس تعاون سے زرعی تجارت کو مضبوط بنانے اور دونوں ممالک میں معیاری بیجوں تک رسائی بہتر بنانے کے مواقع پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ پاکستانی جانب سے پاکستان ایگریکلچرل ریسرچ کونسل میں بیلاروس کی مالی اور تکنیکی معاونت سے یونیورسل زرعی مشینری ٹیسٹنگ سہولت یا مرکز کے قیام کی تجویز پیش کی گئی۔ بیلاروسی جانب نے اس تجویز کا نوٹس لیا۔ مجوزہ مرکز کے قیام کے امکانات کا جائزہ لینے کے لیے ضروری آلات کی فہرست تیار کرنے اور پاکستانی جانب سے تجویز کردہ مقامات کی مشینری ٹیسٹنگ اسٹیشنز کے قیام کے لیے موزونیت کا جائزہ لینے پر اتفاق کیا گیا۔ اس مقصد کے لیے دونوں جانب سے 2026 کے اختتام تک اعلیٰ تربیت یافتہ تکنیکی ماہرین کے وفود کے باہمی دوروں میں سہولت فراہم کرنے پر اتفاق کیا گیا۔ دونوں ممالک نے پلانٹ کورنٹائن کے متعلقہ اداروں کے درمیان استعداد کار میں اضافے کے لیے تعاون تلاش کرنے پر بھی اتفاق کیا تاکہ فائٹو سینیٹری نظام کو مزید مضبوط بنایا جاسکے۔ اس تعاون سے مؤثر فائٹو سینیٹری اقدامات کی تیاری اور ان پر عمل درآمد میں مدد ملے گی، جن کا مقصد تجارتی اشیاء اور ان کے ذرائع کے ذریعے قرنطینہ سے متعلق کیڑوں کے داخلے، قیام اور پھیلاؤ کو روکنا ہے۔ پلانٹ کورنٹائن کے شعبے میں مضبوط تعاون سے زرعی پیداوار کے تحفظ، فائٹو سینیٹری معیار میں بہتری اور دونوں ممالک کے درمیان زرعی اجناس کی محفوظ بین الاقوامی تجارت کے فروغ میں مدد ملے گی۔ وفاقی وزیر رانا تنویر حسین نے دوطرفہ تعاون کو ٹھوس تجارتی، تکنیکی اور ادارہ جاتی نتائج میں تبدیل کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان زراعت اور غذائی تحفظ کے ابھرتے ہوئے شعبوں میں بیلاروس کے ساتھ روابط کو وسعت دینے اور کاروباری اداروں، کسانوں، سرمایہ کاروں اور تکنیکی ماہرین کے لیے مزید مواقع پیدا کرنے کے لیے پرعزم ہے۔ وفاقی وزیر رانا تنویر حسین اور بیلاروسی جانب نے پاکستان اور بیلاروس کے درمیان بڑھتے ہوئے تعاون پر اطمینان کا اظہار کیا اور زراعت، غذائی تحفظ، تجارت، سرمایہ کاری، آبی زراعت، بیجوں کی تجارت، زرعی مشینری اور فائٹو سینیٹری تعاون کے شعبوں میں باہمی مفاد پر مبنی شراکت داریوں کو فروغ دینے کے عزم کا اعادہ کیا۔

بقیہ 18

کہا کہ ایل اے 15، ضیا قمر کے حلقے میں نو پولنگ اسٹیشنز پر ری پولنگ کا فیصلہ واپس لیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ نو پولنگ اسٹیشنز پر پریزائیڈنگ افسران موجود تھے، مگر کسی ووٹر نے ووٹ نہیں ڈالا، ان علاقوں کے عوام نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا، یہاں لینڈ سلائیڈنگ، درخت گرنے یا راستوں کی بندش کا معاملہ نہیں تھا۔ شیری رحمان نے کہا کہ الیکشن کمیشن آزاد کشمیر ری پولنگ کے فیصلے پر نظرثانی کرے، ایل اے 15 میں پیپلز پارٹی کے کامیاب امیدوار کا نتیجہ برقرار رکھا جائے۔ شیری رحمن نے کہا کہ ری پولنگ کے ذریعے پیپلز پارٹی کے کامیاب امیدوار کا نتیجہ تبدیل کرنا مقصد نہیں ہونا چاہیے۔

بقیہ 19

نوجوانوں کی صلاحیتوں کو درست انداز میں بروئے کار لانے سے وابستہ ہے، نوجوانوں کو تعلیم، جدید ہنر، روزگار اور آگے بڑھنے کے بھرپور مواقع فراہم کرنا حکومت کی اولین ترجیحات میں شامل ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ موجودہ حکومت نوجوانوں کو بااختیار بنانے اور ان کی صلاحیتوں کو قومی ترقی کے لیے استعمال کرنے کے لیے سنجیدگی سے کام کررہی ہے۔ وزیر ریلوے نے نوجوانوں پر زور دیا کہ وہ جدید تعلیم اور ہنر سے آراستہ ہوکر پاکستان کو ایک ترقی یافتہ اور مضبوط ملک بنانے میں اپنا فعال کردار ادا کریں۔ محمد حنیف عباسی کا مزید کہنا تھا کہ نوجوانوں کی محنت، عزم اور تخلیقی صلاحیتیں ہی پاکستان کے روشن مستقبل کی ضمانت ہیں اور ملک کی ترقی کا سفر نوجوان نسل کی بھرپور شرکت اور باصلاحیت قیادت کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔

بقیہ 20

صوبوں میں احتجاج کریں گے، لاہور میں وزیراعلیٰ ہاؤس اور سندھ میں گورنر ہاؤس پر دھرنے ہوں گے، میر رضا کیس میں پولیس کا پورا سسٹم ایکسپوز ہوگیا، کسی کا دباؤ ہے تو اس کو سامنے آنا چاہیے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے ادارہ نورحق کراچی میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ 27 ویں ترمیم کے بعد سے پاکستان میں آئین کی اہمیت نہیں رہی کہ آئین و قانون کے معاملے پر آئین سے بالاتر کوئی کام نہیں ہونا چاہیے، جو حکومت عوام کی رائے کے ساتھ نہیں ہوتی، وہ کسی بہت اچھے آئیڈیا کو بھی ٹھیک طریقے سے نہیں چلا سکتی۔ انہوں نے کہا کہ جب حکومت لوگوں کی مرضی کے مطابق نہ بنے تو اعتماد کا بحران پیدا ہوجاتا ہے، جس سے پھر کوئی چیز قابو میں نہیں آتی اور اب تو یہ اعتراف خود سسٹم کے مرکزی کرداروں نے کرلیا ہے۔ اس پورے فرسودہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنا ہوگا۔ تمام ادارے اپنا کام آئین کے مطابق کریں تو سارے مسئلے حل ہوسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ نظام پی ڈی ایم کی جانب سے یہ بات آئی ہے کہ یہ نظام نہیں چل رہا، یہ سسٹم ناکامی کا نمونہ ہے، صرف اعتراف سے کچھ نہیں ہوگا، یہ دیکھنا ہوگا کہ کیسے لوگوں کو الیکشن میں لایا جاتا ہے۔ اس سسٹم کا کوئی ایک پہلو نہیں ہے، اس نظام میں عام لوگوں کی کوئی حصہ نہیں، صرف پتے جھاڑنے سے مسئلہ حل نہیں ہو گا، نظام کو تبدیل کرنا ہوگا، اس کا حل صرف یہ ہے کہ آئین کو مقدم رکھا جائے۔ حافظ نعیم نے کہا کہ پیٹرولیم لیوی کے خلاف سولہ اگست کو چاروں صوبوں میں احتجاج کریں گے، لاہور میں وزیراعلیٰ ہاؤس اور سندھ میں گورنر ہاؤس پر دھرنے ہوں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ میر رضا کیس میں پولیس کا پورا سسٹم ایکسپوز ہوگیا، کسی کا دباؤ ہے تو اس کو سامنے آنا چاہیے۔ امیر جماعت اسلامی نے کہا کہ پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کے دفاعی معاہدے کا خیر مقدم کرتے ہیں، یہ امت مسلمہ کے اتحاد کی طرف اہم پیش رفت ہے، ایران، مصر اور قطر، بنگلہ دیش سمیت دیگر مسلم ممالک کو بھی اس میں شامل کرنا چاہیے۔ مکہ معاہدہ صرف دفاع نہیں بلکہ معیشت پر بھی ہونا چاہیے، مکہ دفاعی اتحاد اسرائیل کو کھل کر آنکھیں دکھائے۔ حافظ نعیم نے کہا کہ وہ جو لوگ سوال کرتے ہیں کہ کیسے پیٹرول کی قیمت کم ہو جائے گی تو ان سے ہماری گزارش یہ ہے کہ وہ ذرا پڑھ لیا کریں، جہالت پر مبنی بیانات دینے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا، 80 روپے کی لیوی کا پیٹرولیم کی قیمت سے کیا تعلق؟ انہوں نے کہا کہ لیوی ایک الگ سے ٹیکس ہے، جس کا پیٹرولیم مکینزم سے کوئی تعلق نہیں اور یہ اسٹوریج کی گنجائش بڑھانے کیلئے لگایا گیا تھا، بتایا گیا تھا کہ ہماری اسٹوریج کی گنجائش بڑھ جائے گی اور ریفائنریز ٹھیک ہو جائیں گی تو ہمیں ریفائن آئل نہیں خریدنا پڑے گا۔ ہم زیادہ کروڈ آئل خریدیں گے اور خود ریفائن کریں گے تو ہمارے اربوں ڈالر بچیں گے۔ حافظ نعیم نے کہا کہ حکومت آٹھ ہزار ارب روپے سے زیادہ لیوی پاکستان کے لوگوں سے وصول کرچکی ہے، اس میں سے اگر ڈیڑھ سے دو ہزار ارب روپے بھی خرچ ہو جاتے تو آج پاکستان کو امپورٹ بل میں ہی کئی بلین ڈالر کا فائدہ ہو جاتا لیکن جس مقصد کے لیے

بقیہ 21

ہماری جیب پر ڈاکہ پڑا ہے اس میں سے ایک ارب روپیہ بھی خرچ نہیں کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ خیبر پختونخوا میں امن وامان قائم کرنا حکومتوں کی ذمے داری ہے، یہاں امن کے لیے ماحول کو سازگار بنانا چاہیے، بیرونی سازشیں اندرونی حالات کی وجہ سے کامیاب ہوتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ افغان حکومت اپنی سرزمین کو پاکستان کے خلاف استعمال کرنے سے روکے، افغان حکومت کے ساتھ بات چیت کرنی چاہیے، جنوبی اضلاع میں اس وقت حالات بہت خراب ہیں، نیشنل ایکشن پلان میں روزگار اور تعلیم بھی شامل تھا۔

تحت 21 مختلف اسٹیشنز سے 6 ہزار 150 سے زائد طلبہ و طالبات سے خطاب کیا۔ سینیٹر انوار الحق کاکڑ نے بلوچستان کی تاریخ، علیحدگی پسند بیانیے، دہشت گردی، انسانی حقوق، قومی سلامتی اور نوجوانوں کے کردار پر تفصیلی اظہار خیال کیا۔ نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے سینیٹر انوار الحق کاکڑ نے کہا کہ بلوچستان میں علیحدگی پسند اور دہشتگرد تنظیموں کی سیاسی حکمت عملی کا بنیادی ذریعہ تشدد ہے۔ فتن الہندوستان کے دہشت گردوں کا بھرپور مقابلہ اور ان کے نیٹ ورک کا مکمل خاتمہ کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ جعفر ایکسپریس کے مسافروں، موسیٰ خیل میں شہریوں اور تربت میں مزدوروں کو نشانہ بنانا انسانی حقوق اور حق زندگی کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ سینیٹر انوار الحق کاکڑ کا کہنا تھا کہ نوجوانوں کو انتہا پسند اور ریاست مخالف بیانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ذہنی، علمی اور فکری طور پر تیار کرنا ہوگا۔ دہشت گردی کے خلاف اس جدوجہد میں ہمیں زبان کی طاقت، دلیل، علم، ابلاغ اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بھی بروئے کار لانا ہوگا۔

بقیہ 22

ڈیڑھ کروڑ بیرل یومیہ تھی۔ امریکی وزیر توانائی کے مطابق صرف اتوار کے روز خلیجی خطے سے 2 کروڑ بیرل سے زائد تیل برآمد کیا گیا، جو تنازع سے پہلے کی یومیہ مقدار سے بھی زیادہ ہے۔ اس سے قبل ایرانی نیشنل سیکیورٹی کونسل نے ایرانی شرائط نہ ماننے تک آبنائے ہرمز بند رکھنے کا اعلان کیا تھا، سیکرٹری ایرانی سپریم نیشنل سیکیورٹی کونسل محسن رضائی نے ایک بیان میں کہا تھا کہ آبنائے ہرمز تب تک بند رہے گی جب تک امریکا اپنے رویے تبدیل نہ کرے۔

بقیہ 23

وزیر داخلہ محسن نقوی سے تہران میں ملاقات کے بعد اپنے بیان میں کہا کہ تہران تیار ہے کہ وہ اسلام آباد کے ساتھ سیاسی، اقتصادی، تجارتی، ثقافتی اور سیکیورٹی فیلڈز میں تعلقات گہرے کرے۔ ڈاکٹر پزشکیان نے کہا کہ ایران نے تعلقات بڑھانے اور انہیں مضبوط کرنے سے متعلق وزیراعظم شہباز شریف اور دیگر پاکستانی حکام کی محبت اور دلچسپی ایران کیلئے انتہائی قابل قدر ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایران تمام شعبوں میں پاکستان سے تعلقات بڑھانے میں دلچسپی رکھتا ہے اور مشترکہ تعاون کی راہ ہموار کرنے کیلئے تیار ہے۔ ایرانی صدر نے کہا کہ دوطرفہ تعلقات بڑھانے اور تعاون گہرا کرنے سے باہمی مفادات یقینی ہوں گے اور علاقائی سیکیورٹی و استحکام بھی مضبوط ہوگا۔ محسن نقوی نے کہا کہ ایران اور پاکستان کے تعلقات مضبوط اور نہ ٹوٹنے والے ہیں، تہران سے تعلقات کو جامع انداز سے بڑھانے کیلئے اسلام آباد انتہائی سنجیدہ عزم کیساتھ اقدامات کررہا ہے۔ وزیر داخلہ محسن نقوی اس سے پہلے ایرانی وزیر خارجہ عباس عراقچی اور اپنے ہم منصب محسن مومنی سے بھی ملے تھے۔ ایرانی میڈیا کے مطابق ملاقاتوں میں خطے کی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ اس سے پہلے وزیر دفاع خواجہ آصف کا یہ بیان سامنے آیا تھا کہ امریکا اور ایران سمجھوتے کے قریب ہیں۔ امریکی میڈیا سے گفتگو میں خواجہ آصف نے کہا تھا کہ معاملات ایک بار پھر امن معاہدے یا سمجھوتے کی طرف جارہے ہیں۔ خواجہ آصف کا کہنا تھا کہ گزشتہ دو تین روز سے ملنے والے اشارے بتارہے ہیں کہ فریقین کسی نہ کسی سمجھوتے کے قریب ہیں، پائیدار امن پورے خطے کے مفاد میں ہوگا۔

بقیہ 24

واقعے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جب طیارہ اچانک 300 فٹ نیچے آیا تو جہاز کا کپتان اپنی نشست پر موجود نہیں تھا، جبکہ اس وقت طیارے کا کنٹرول فرسٹ آفیسر کے پاس تھا۔ بھارتی میڈیا کے مطابق پرواز کی لینڈنگ کے بعد نئی دہلی میں کی جانے والی اسکریننگ کے دوران جہاز کے کپتان کے جسم میں نشہ آور اشیا کا انکشاف ہوا تھا۔ کچھ عرصے بعد اور ٹیسٹ کیا گیا اور ذرائع نے بتایا کہ یہ ٹیسٹ بھی مثبت آیا ہے۔ خاص طور پر ٹیسٹ سے اس بات کی تصدیق ہوئی ہے کہ پائلٹ نے چرس پی رکھی تھی۔ وزارت سول ایوی ایشن نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ ایئرکرافٹ ایکسیڈنٹ انوسٹی گیشن بیورو نے اس واقعے کی مزید تحقیقات شروع کردی ہیں۔ بھارتی ایئرلائن کی جانب سے تاحال کوئی بیان جاری نہیں کیا گیا۔

بقیہ 25

مشعال میری چھوٹی بہن ہے، غلطی ہوئی آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔

بقیہ 26

دوطرفہ تعلقات کو مضبوط کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ انہوں نے صحافت کی عظیم روایت میں انصاف پسندی، غیر جانبداری اور معروضیت کو بنیادی اقدار قرار دیا، جو ایک جمہوری معاشرے کی حقیقی عکاسی کرتے ہیں۔ انہوں نے دونوں ممالک اور ان کے عوام کے درمیان فاصلے کم کرنے میں پاکستانی امریکی میڈیا نمائندگان کی کاوشوں کو سراہا۔ تقریب کے اختتام پر سفیر پاکستان نے کمیونٹی کے لیے خدمات اور لگن کے اعتراف میں معزز شخصیات کو لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈز پیش کیے۔ انہوں نے پاپا کی قیادت کی جانب سے تقریب کے انعقاد اور پاکستانی امریکی کمیونٹی کے ساتھ مسلسل رابطے کو بھی سراہا۔

بقیہ 27

نے کہا کہ پاکستان کو سیاسی عدم استحکام کا شکار نہیں کرنے دیں گے، اگر ایسا حملہ ہوگا تو حملہ آور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ طلال چوہدری نے کہا کہ نفرت اور انتشار کی وجہ سے 9 مئی ہوا اور اسی وجہ سے مال روڈ کا واقعہ پیش آیا، بانی پی ٹی آئی اپنے بیانات اور تقریروں میں نفرت اور انتشار بھرتے رہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی سوشل میڈیا پالیسی ہمارے شہدا کی تضحیک کرتی ہیں، پی ٹی آئی کو کہا گیا ہے کہ نفرت اور انتشار کی سیاست ختم کرے اور نوجوانوں کے ذہنوں میں نفرتیں مت بھرے۔ طلال چوہدری نے کہا کہ پی ٹی آئی قیادت یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہوسکتی کہ ہمارا اس کارکن سے کوئی تعلق نہیں، دوسری طرف خود ہی اسکا دفاع بھی کرتے ہیں۔ یہ کارکن خیبرپختونخوا ہاؤس میں رہتا رہا اور پارٹی قیادت سے ملتا رہا۔ وزیر مملکت نے کہا کہ پی ٹی آئی آہستہ آہستہ خود کو ہی مائنس کررہی ہے، راولپنڈی مال روڈ پر پیش آنے والے واقعے کی آزادانہ اور شفاف تحقیقات ہورہی ہیں جس کے نتائج جلد سامنے آئیں گے۔

بقیہ 28

اسلام آباد میں سیلابی کیفیت کے خطرے کے سائرن بھی بجا دیے گئے۔ نالہ لئی کے کٹاریاں مقام پر پانی کی سطح 22 فٹ تک پہنچ گئی جبکہ گوالمنڈی کے مقام پر پانی 19 فٹ کی سطح تک بلند ہوگیا۔ ذرائع کے مطابق راولپنڈی ضلعی انتظامیہ نے ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کیلئے پاک فوج سے مدد طلب کرلی ہے۔ حکام کے مطابق شہریوں کو نالہ لئی، ندی نالوں اور نشیبی علاقوں سے دور رہنے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، نشیبی علاقوں میں ہنگامی حالت نافذ ہے۔ اسلام آباد اور راولپنڈی میں اوسطاً 74 ملی میٹر بارش ریکارڈ کی گئی، گولڑہ کے مقام پر سب سے زیادہ 113 ملی میٹر بارش ریکارڈ کی گئی، بوکرا میں 40 ملی میٹر، سید پور 70، ایچ ایٹ 57 اور شمس آباد میں 44 ملی میٹر بارش ہوئی۔ بارش کے اعداد و شمار کے مطابق جڑواں شہروں میں بارش کا اوسط ریکارڈ 76.05 ملی میٹر رہا، اسلام آباد کے گولڑہ کے علاقے میں سب سے زیادہ 114 ملی میٹر بارش ریکارڈ کی گئی جبکہ سید پور ویلج میں 71 ملی میٹر، پی ایم ڈی ایچ ایٹ میں 57 ملی میٹر اور بوکرا آئی 12 میں 46 ملی میٹر بارش ہوئی۔ راولپنڈی میں نیو کٹاریاں میں 59 ملی میٹر، پیرودھائی میں 51 ملی میٹر، شمس آباد اور گوالمنڈی میں 45 ملی میٹر جبکہ کچہری چکلالہ کے قریب 33 ملی میٹر بارش ریکارڈ کی گئی۔ راولپنڈی میں نالہ لئی کی سطح میں کمی کے باوجود کٹاریاں اور گوالمنڈی میں الرٹ برقرار ہے۔ محکمہ موسمیات نے بدھ کو مختلف علاقوں میں مزید بارش کی پیشگوئی کرتے ہوئے کہا کہ اسلام آباد، راولپنڈی سمیت پنجاب کے مختلف علاقوں اور خیبر پختونخوا، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں بادل برسیں گے۔ دوسری جانب مقبوضہ جموں اور بالائی علاقوں میں ہونے والی تیز بارشوں کے باعث شکر گڑھ کے نالہ بئیں میں سیلابی صورتحال ہے درجن بھر سے زائد دیہات کی فصلیں ڈوب گئیں۔ فلڈ فورکاسٹنگ ڈویژن لاہور کے مطابق دریائے سندھ میں کالاباغ اور گدو بیراج پر نچلے درجے کے سیلاب کے نتیجے میں دیگر دریاؤں میں صورتحال معمول پر ہے۔

بقیہ 29

جنگ کے وقت خلیج فارس میں امریکا کے 30 سے 40 جنگی جہاز تھے جبکہ ماضی میں ہوئی ایران عراق جنگ کے وقت امریکا سو سے زائد جنگی جہاز خلیج فارس لایا تھا تاہم اس وقت خلیج فارس میں امریکا کا ایک بھی جہاز نہیں ہے۔ جنرل مجبی نے کہا کہ جنگ میں ایران کے ردعمل سے دشمن کو نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ پاسداران انقلاب کے ترجمان نے مزید کہا کہ امریکا نے ایران کی ساؤتھ پارس گیس فیلڈ اور اسالویہ انرجی ہب پر بمباری کی تھی جس کا جواب امریکا، اسرائیل اور اسکے اتحادیوں پر ایسے حملوں سے دیا گیا تھا کہ امریکا کے لیے جنگ میں اپنی قوت سے جاری رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ ترجمان نے دھمکی دی کہ اگر ایران کو پھر خطرات کا سامنا ہوا تو خطے میں تمام امریکی اور غیر امریکی توانائی سسٹم اور انٹرنیٹ سے جڑا عالمی انفراسٹرکچر تباہ کردیا جائے گا۔

بقیہ 30

جس میں اللہ نے پاکستان کو فتح دی، پاکستان نے فیلڈ مارشل عاصم منیر کی سربراہی میں دشمن کو 6 دنوں میں شکست دی، دنیا نے سوچ لیا کہ دفاع کے اعتبار سے پاکستان سے اچھا کوئی دوست نہیں ہوسکتا، فیلڈ مارشل عاصم منیر اور وزیراعظم نے تیسری عالمی جنگ سے دنیا کو بچایا۔ مصطفیٰ کمال نے کہا کہ اس وقت ملک میں نئے صوبوں کا بننا ضروری ہے، 8884 ارب روپے وفاق ہر سال صوبوں کو بانٹ دیتا ہے، اتنی بڑی رقم 4 وزرائے اعلیٰ کو مل جاتی ہے، لیکن فنڈز نیچے تک جانے کا نظام نہیں۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب اور خیبر پختونخوا صوبے کئی ممالک سے بڑے ہیں، سندھ 165 ممالک سے بڑا ہے جبکہ بلوچستان 180 ممالک کے رقبوں سے بڑا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب پاکستان کے عوام 3 کروڑ 70 لاکھ تھے تو 4 صوبے تھے، اب ساڑھے 26 کروڑ آبادی ہو چکی، اب بھی چار صوبے ہیں، سری لنکا کے 9، ایران کے 23 اور بھارت کے بھی کئی صوبے ہیں، صوبے بنانے سے ملک ٹوٹتا نہیں مزید مضبوط ہوتا ہے، کچھ تو ایسا ہے کہ یہ نظام غدار پیدا کررہا ہے لوگ بندوق اٹھا لیتے ہیں۔ وفاقی وزیر نے کہا کہ آج خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں لڑائی ہورہی ہے، ہمارے فوجی افسر شہید ہورہے ہیں، اس جنگ میں بیرونی عناصر شامل ہیں ہمیں اس نظام کو بھی جڑ سے بہتر کرنا ہوگا۔ مصطفیٰ کمال نے کہا کہ صوبوں کی بات ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ عزت اور غیرت کی بات ہے، جب گٹر میں گر کر بچے مرتے ہیں تو اس وقت کسی کی غیرت کیوں نہیں جاگتی؟ انہوں نے کہا کہ وزیراعظم شہباز شریف 14 گھنٹے کام کر رہے ہیں، ان کے ساتھ کام کرنا بہت مشکل ہے، آپ وزیراعظم سے ادھر ادھر کی بات نہیں کرسکتے، وہ 3 بار وزیراعلیٰ بھی رہ چکے ہیں، اب وزیراعظم کا کام تو گٹر ڈھکن لگانا نہیں، نظام کو مضبوط بنانا ہوگا، ساری جماعتیں بیٹھ کر بات کریں موجودہ معاملات کا آئینی حل نکالیں۔

بقیہ 31

اکتوبر کو پاکستان میں نیا نظام لا رہے ہیں، ادویات کے اوپر چیک اینڈ بیلنس رکھا جائے گا، 25 کروڑ آبادی میں صرف 22 ڈرگ انسپکٹر کام کررہے ہیں۔ مصطفیٰ کمال نے نئے صوبے بنانا کا مطالبہ دہراتے ہوئے کہا کہ نئے صوبے بنانا وقت کی اہم ضرورت ہے، قیام پاکستان کے وقت پاکستان کی کل آبادی ساڑھے تین کروڑ اور صوبے چار تھے، آج ملک کی آبادی ساڑھے 26 کروڑ تک پہنچ گئی ہے پر صوبے چار ہیں، نئے صوبوں کے قیام سے ملک ٹوٹتا نہیں مزید مضبوط ہوتا ہے۔ وفاقی وزیر صحت نے کہا کہ پاکستان سعودی عرب اور ترکیہ کے مابین دفاعی معاہدہ خوش آئند ہے، اس کا سہرا فیلڈ مارشل عاصم منیر، وزیراعظم اور ڈپٹی وزیراعظم کو جاتا ہے، کچھ انتشار پسند سوچ بھی سازش کے تحت فوج کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ہم نے فیلڈ مارشل سید عاصم منیر کی قیادت میں اپنے سے چھ گنا بڑی فوج کو شکست سے دوچار کیا۔

بقیہ 32

سے ملنے نہیں دیا جارہا، بانی کے معاملے پر کوئی سوموٹو نہیں لیا جارہا۔ شیخ وقاص اکرم نے کہا کہ اسحاق ڈار کے نواسے پر ایف آئی آر کا کیا بنا؟ پنجاب میں فارم 47 والی حکومت اسحاق ڈار کے نواسے پر خاموش ہوگئی۔ بانی کی صحت کے حوالے سے کوئی خبر آئے گی تو پوری پارٹی کو تشویش ہوگی۔ مریم نواز اور ان کے چچا شہباز شریف کو بانی کی صحت کے حوالے سے جواب دینا ہوگا۔ چیف جسٹس بانی کی صحت کا نوٹس لیں اور فوری ملنے دیا جائے۔ شیخ وقاص اکرم نے کہا کہ عدلیہ بھی جیل میں بانی کے رویے پر اختیارات استعمال نہیں کر رہی، چیف جسٹس آف پاکستان بانی پی ٹی آئی کے کیسز کو جلد لگائیں، امید ہے سپریم کورٹ کا وعدہ پنجاب انتظامیہ سے مختلف ہوگا۔ شیخ وقاص اکرم نے کہا کہ مریم نواز کی موجودگی میں 2 خواتین تھانے میں ماردی گئیں، سی سی ڈی صرف غریبوں کیلئے بنی ہے؟ دو خواتین تھانے میں مرگئیں، جوڈیشل انکوائری ہونی چاہیے۔ سندھ اور پنجاب حکومت والے چور ہیں۔ کشمیر کے الیکشن میں ن لیگ اور پی پی پی نے ایک دوسرے کو ووٹ اور لات یاد دلادی۔ شیخ وقاص اکرم نے کہا کہ ججز کی تعیناتی پر سیاسی مداخلت کو پی ٹی آئی مسترد کرتی ہے، پی ٹی آئی نے پی پی پی سے مذاکرات کی مخالفت کردی ہے، پیپلز پارٹی اور ن لیگ دونوں چور ہیں اور پی پی پی سے کسی قسم کے مذاکرات نہیں ہوں گے۔ شیخ وقاص اکرم نے کہا کہ مولانا فضل الرحمان کے ساتھ بار بار مذاکرات کئے ہیں، 26 ویں ترمیم پر بھی جے یو آئی کا ساتھ دیا۔ جے یو آئی کے ساتھ اپوزیشن اتحاد میں جنت ہوتی ہے۔

بقیہ 33

گورنمنٹ بوائز ماڈل ہائیر سیکنڈری سکول اوتھل کے پرنسپل محمد سلیم سرپرو نے کلسٹر بجٹ کے تحت فراہم کیا جانے والا ضروری سامان سٹی کے مختلف فیڈر اسکولوں میں باقاعدہ طور پر تقسیم کردیا۔ سامان کی تقسیم کا مقصد اسکولوں کی بنیادی ضروریات پوری کرنا اور طلبہ و اساتذہ کو بہتر تعلیمی ماحول فراہم کرنا ہے۔ اس موقع پر پرنسپل محمد سلیم سرپرو، وائس چیئرمین MC اوتھل محمد وسیم خالق، چیئرمین PTSMC اور ممبر PTSMC عبدالغنی سومرو نے کہا کہ کلسٹر بجٹ ایک اہم تعلیمی اقدام ہے، جس کے ذریعے اسکولوں کی تمام ضروریات کو بروقت پورا کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دستیاب وسائل کو صرف کاغذی کارروائی تک محدود رکھنے کے بجائے انہیں حقیقی معنوں میں طلبہ اور اسکولوں کی بہتری پر خرچ ہونا چاہیے۔ انہوں نے مزید کہا کہ تعلیم کے معیار میں بہتری صرف نصاب اور تدریس تک محدود نہیں بلکہ اسکولوں میں ضروری تعلیمی سامان اور بنیادی سہولیات کی فراہمی بھی اس کا اہم حصہ ہے۔ اسی مقصد کے تحت کلسٹر بجٹ سے حاصل ہونے والے سامان کو متعلقہ اسکولوں تک پہنچایا گیا ہے تاکہ طلبہ براہ راست اس سہولت سے مستفید ہوسکیں۔ پرنسپل محمد سلیم سرپرو نے کہا کہ سرکاری اسکولوں میں دستیاب وسائل کا شفاف، منصفانہ اور مؤثر استعمال وقت کی اہم ضرورت ہے۔

بقیہ 34

جمعیت علماء اسلام ضلع کوئٹہ کے امیر شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن رفیق، سیکرٹری جنرل حاجی عین اللہ شمس، سینئر نائب امیر مولانا خورشید احمد، سیکرٹری اطلاعات عبدالغنی شہزاد، عبدالصمد حقیار، مفتی محمد ابوبکر، عبدالباری شہزاد، مولانا جمال الدین حقانی، مفتی رشید احمد حقانی اور حاجی عطاء محمد شمشوزئی نے کوئٹہ شہر اور ملحقہ علاقوں میں بجلی کی غیر اعلانیہ اور طویل لوڈشیڈنگ پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ بجلی کی مسلسل بندش نے شہریوں کی زندگی اجیرن اور معمولات زندگی کو شدید متاثر کردیا ہے۔ شدید گرمی کے موسم میں کئی کئی گھنٹوں تک بجلی کی فراہمی معطل رہنا عوام کے لیے ناقابل برداشت اذیت کا باعث بن رہا ہے انہوں نے کہا کہ متعلقہ حکام کی جانب سے مسئلے کے مستقل اور مؤثر حل کیلئے سنجیدہ اقدامات نظر نہیں آرہے۔ بلکہ کیسکو حکام کی نااہلی غیر ذمہ داری اور عوامی مسائل سے عدم توجہی نے صورتحال کو مزید سنگین بنا دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بجلی کی بندش کم وولٹیج اور دیگر مسائل کے حوالے سے شہری بار بار شکایات درج کرانے کے باوجود عملی ریلیف سے محروم ہیں۔ عوامی شکایات کے فوری ازالے کے بجائے انہیں مختلف حیلوں بہانوں اور ٹال مٹول کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے شہریوں میں شدید اضطراب اور بے چینی پائی جاتی ہے۔ رہنماؤں نے کہا کہ عوامی خدمت کیلئے قائم کیسکو بجلی کے متعلقہ دفاتر عوامی شکایات کے فوری ازالے کے مراکز ہونے چاہئیں نہ کہ شہریوں کو بار بار چکر لگوانے اور خوار کرنے کے مراکز۔ معمولی نوعیت کے مسائل کے حل کے لیے بھی شہریوں کو کئی کئی مرتبہ دفاتر کے چکر لگانا پڑتے ہیں جو متعلقہ اداروں کی کارکردگی اور عوامی خدمت کے دعوں پر ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ کوئٹہ شہر اور ملحقہ علاقوں میں غیر اعلانیہ طویل لوڈشیڈنگ کا فوری خاتمہ بجلی کی بلاتعطل فراہمی کم وولٹیج اور دیگر فنی مسائل کا مستقل حل یقینی بنایا جائے انہوں نے کہا کہ عوام کو مسلسل اذیت اور مشکلات میں مبتلا رکھنے کی روش مزید قابل قبول نہیں متعلقہ حکام اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے شہریوں کو فوری ریلیف فراہم کریں۔

بقیہ 35

جشن آزادی کی خوشیاں منانا ہم سب کی قومی ذمہ داری ہے، پاکستان ہماری پہچان اور ہمارے بزرگوں کی لازوال قربانیوں کا ثمر ہے۔ میر چاکر خان رند یونیورسٹی سبی میں یوم آزادی کی تقریبات کو بھرپور جوش و جذبے، ملی یکجہتی اور نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ منایا جائے گا ان خیالات کا اظہار میر چاکر خان رند یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر ممتاز علی بلوچ نے میڈیا نمائندگان سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ 14 اگست پاکستانی قوم کے لیے ایک تاریخی اور اہم دن ہے، جسے قومی جذبے، اتحاد و یکجہتی اور وطن سے محبت کے ساتھ منانا ہم سب کی ذمہ داری ہے وائس چانسلر پروفیسر ممتاز علی بلوچ نے کہا کہ میر چاکر خان رند یونیورسٹی میں جشن آزادی کی مناسبت سے مختلف تقریبات کا انعقاد کیا جائے گا، جن میں طلباء و طالبات بھرپور شرکت کریں گے یونیورسٹی کی عمارت کو قومی پرچموں اور جھنڈیوں سے سجایا جائے گا جبکہ ملی نغموں، تقاریر، ٹیبلو اور دیگر پروگراموں کے ذریعے طلبہ میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کے جذبے کو اجاگر کیا جائے گا انہوں نے خصوصی طور پر بتایا کہ میر چاکر خان رند یونیورسٹی کے طلبا کوئٹہ میں منعقد ہونے والے جشن آزادی سپورٹس فیسٹیول میں بھی حصہ لے رہے ہیں، جہاں یونیورسٹی کے باصلاحیت نوجوان مختلف کھیلوں میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ یونیورسٹی کے طلبا اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نمایاں پوزیشنیں حاصل کریں گے اور نہ صرف سبی بلکہ پورے بلوچستان کا نام روشن کرنے میں اہم کردار ادا کریں گے پروفیسر ممتاز علی بلوچ نے کہا کہ کھیل نوجوانوں کی جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ ان میں نظم و ضبط، ٹیم ورک، برداشت، مقابلے کا جذبہ اور قیادت کی صلاحیتیں پیدا کرتے ہیں۔ میر چاکر خان رند یونیورسٹی طلبا کو تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ کھیلوں اور دیگر مثبت سرگرمیوں کے مواقع فراہم کرنے کے لیے بھی کوشاں ہے انہوں نے کہا کہ کوئٹہ میں جشن آزادی سپورٹس فیسٹیول میں یونیورسٹی کے طلبا کی شرکت اس بات کا ثبوت ہے کہ سبی کے نوجوان ٹیلنٹ سے مالا مال ہیں اور انہیں اگر مناسب مواقع اور سہولیات فراہم کی جائیں تو وہ صوبائی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا سکتے ہیں وائس چانسلر نے کہا کہ ہمیں اپنے نوجوانوں پر فخر ہے اور امید ہے کہ وہ کھیل کے میدان میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کامیابیاں حاصل کریں گے۔ ان کی کامیابی دراصل میر چاکر خان رند یونیورسٹی، سبی اور بلوچستان کی کامیابی ہوگی انہوں نے مزید کہا کہ جشن آزادی صرف خوشیاں منانے کا دن نہیں بلکہ اپنے قومی فرائض کی تجدید کا بھی موقع ہے۔ ہمیں اس دن یہ عہد کرنا چاہیے کہ تعلیم، کھیل، تحقیق اور مثبت سرگرمیوں کے ذریعے ملک و قوم کی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں گے پروفیسر ممتاز علی بلوچ نے کہا کہ پاکستان بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا، اس لیے ہمیں آزادی کی قدر کرتے ہوئے ملک کی ترقی، خوشحالی، امن اور استحکام کے لیے متحد ہوکر کام کرنا ہوگا۔ میر چاکر خان رند یونیورسٹی کی جشن آزادی تقریبات میں طلبا و طالبات، اساتذہ اور یونیورسٹی انتظامیہ بھرپور قومی جذبے کے ساتھ شریک ہوں گے۔

بقیہ 36

صوبائی وزیر لائیو اسٹاک سردار زادہ فیصل خان جمالی کے ترقیاتی فنڈز اور میونسپل کمیٹی گنداخہ کے چیئرمین ڈاکٹر جاوید اختر جمالی کی خصوصی تجویز اور کاوشوں سے قمبرانی محلہ میں ٹف ٹائل اور جدید سیوریج سسٹم کی تنصیب کا کام تیزی سے جاری ہے، جس سے علاقے کے مکینوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ تفصیلات کے مطابق قمبرانی محلہ کی گلیاں طویل عرصے سے بنیادی سہولیات کی عدم دستیابی کے باعث شدید مشکلات کا شکار تھیں۔ گلیاں کچی ہونے کے باعث معمولی بارش کے بعد بھی پانی جمع ہوجاتا تھا، جس کے نتیجے میں اہل محلہ کو آمدورفت، صفائی ستھرائی اور نکاسی آب کے حوالے سے متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس موقع پر اہلیان قمبرانی محلہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ کئی دہائیوں سے اس دیرینہ مسئلے پر کسی نے توجہ نہیں دی، جس کے باعث محلہ کے رہائشی بنیادی شہری سہولیات سے محروم رہے۔ انہوں نے کہا کہ اب الحمدللہ صوبائی وزیر لائیو اسٹاک سردار زادہ فیصل خان جمالی اور میونسپل کمیٹی گنداخہ کے چیئرمین ڈاکٹر جاوید اختر جمالی کی خصوصی دلچسپی اور عملی اقدامات کے باعث قمبرانی محلہ میں ترقیاتی کام شروع کیے گئے ہیں، جو قابل تحسین اقدام ہے۔ اہلیان محلہ نے کہا کہ ٹف ٹائل اور سیوریج سسٹم کی تکمیل سے نہ صرف بارش کے پانی کی نکاسی کا دیرینہ مسئلہ حل ہوگا